حُسن و جمالِ
حبیبِ ربُّ العالمین
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا
مفسرِ قرآن پروفیسر قاری مشتاق احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ
سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۴۵﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴿۴۶﴾

سورة الأحزاب

مولف

مفسرِ قرآن پروفیسر قاری مشتاق احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور

نام کتاب: حسن و جمال حبیب رب العالمین ﷺ
مؤلف: مفسر قرآن پروفیسر قاری مشتاق احمد نقشبندی مجددی
پروف ریڈنگ: ڈاکٹر منظور حسین اختر، محمد طاہر نقشبندی
خطاطی: کمال احمد
اشاعت: ۱۰ مارچ ۲۰۱۹ء
تعداد: ۵۰۰
معاون اشاعت: ظفر وسیم نقشبندی مجددی
کمپوزر: خالد مسعود، دانیال کمپوزنگ سینٹر، بحریہ ٹاؤن، لاہور
ناشر:

ملنے کا پتہ
صاحبزادہ حماد احمد
0092321-4665800

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف مصنف

پاکستان کی علمی و روحانی شخصیت مفسر قرآن پروفیسر قاری مشتاق احمد نقشبندی مجددی 20 مارچ 1941 کو ریاست جموں و کشمیر کے ایک معزز راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان پر ہجرت کر کے گوجرانولہ شہر میں آباد ہوئے اور 1952 میں میٹرک کرنے کے بعد مستقل لاہور شہر میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے منشی فاضل، ادیب فاضل، گریجویشن کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو/ اسلامیات کی اسناد حاصل کیں۔ آپ محکمہ تعلیم میں اسسٹنٹ ڈائیریکٹر کالجز اور سیکشن آفیسر بھی رہے۔ آپ مارچ 2001 میں بطور پروفیسر صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور سے ریٹائر ہوئے۔

آپ نے برصغیر کی مشہور علمی و روحانی درس گاہ حزب الاحناف لاہور سے شیخ الحدیث مفتی سیّد ابو البرکات سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درسِ نظامی کی سند اور سند حدیث حاصل کی۔ غزالی زماں شیخ الحدیث علامہ سید احمد کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کا سماع کیا۔ 1979 میں بزرگ روحانی شخصیت حضور قبلہ عالم سید چراغ علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث سید محمد شاہ سوار رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں شرف بیعت حاصل ہوا۔ پیر طریقت صاحبزادہ حافظ سید ارشاد حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اجازت حاصل ہوئی۔ حزب الاحناف لاہور کی معروف علمی شخصیت حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر الحسنات سورہ ق کے شروع تک مکمل کی تو اس دوران آپ کا وصال ہو گیا۔ ان کے فرزند حضرت علامہ مولانا امین الحسنات خلیل احمد قادری نے تفسیر الحسنات کو مکمل کرنے کے لیے پروفیسر قاری مشتاق احمد کا انتخاب فرمایا۔ اپنے اساتذہ کی ادھوری تفسیر کو مکمل کرنا پروفیسر صاحب کے لیے یقیناً باعث فخر ہے۔ یہ تفسیر پروفیسر صاحب کی ایک عظیم علمی خدمت ہے اور تفاسیر کے ذخائر میں عظیم اثاثہ ہے۔

قرآن حکیم، علم وحدیث، فلسفہ و منطق اور عربی و اردو زبان و ادب کے لیے آپ کی خدمات گراں قدر ہیں۔ آپ زندگی کے مختلف اوقات میں مدارس و مساجد میں تفسیر قرآن اور حدیث کا درس دیتے رہے جن میں جامع مسجد دربار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور جامع مسجد شاہ ابوالمعالی قادری رحمۃ اللہ علیہ قابلِ ذکر ہیں۔ صاحبزادہ

میاں جمیل احمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت میں آستانہ عالیہ شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور جامعہ جمیل العلوم کے ذریعے افکار حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ و اعلیٰ حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ عوام کو روشناس کرائے۔

آپ اہل سنت و جماعت کی شان و پہچان ہیں۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی میراث اور صحیح معنوں میں مجددی پیروکار ہیں۔ سلف صالحین، علماء حق کی نشانیوں سے ہیں۔ مردِ صالح، عالم باعمل، شریعت مطہرہ و سنت منورہ کے پابند ہیں۔ منبع فیوض و برکات ہیں۔ استاذی استاذ العلماء کا مقام رکھتے ہیں۔ پیرانِ عظام کے لیے مینارِ نور اور نوجوانوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ بلاناغہ اوراد و وظائف اور ذکر خفی آپ کا معمول ہے۔ ایسے ہی علماء ربانیین کے بارے میں آقا کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔

آپ کی بعض تحریریں عام فہم ہیں لیکن حوالہ جات سے بھرپور مدلل ہیں۔ ہمیشہ بزرگانِ دین اور اسلاف کی کتابوں سے رجوع کرتے ہیں اور انہی کو معتبر جانتے ہیں۔ بعض تحریروں کو فلسفہ، منطق اور جامع علوم سے منور کرتے ہیں اور سیر حاصل مدلل بحث کرتے ہیں قرآن حکیم کی تفسیر اس کی واضح مثال ہے۔ آپ کی ہر تقریر اور تحریر عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے لبریز ہے۔ پیران سالی کے باوجود آقا کریم ﷺ کا ذکر خیر محبت، جوش و جذبہ اور پوری توانائیوں سے کرتے ہیں۔ آقا کریم ﷺ کو حرزِ جاں اور ان کی محبت کو روح ایمان سمجھتے ہیں۔

عقائد اہل سنت و جماعت کا ذکر بھرپور انداز میں کرتے ہیں۔ عقائد اہل سنت و جماعت پر کاربند رہنے اور عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور اسی کو وسیلۂ شفاعت سید المرسلین ﷺ جانتے ہیں اور اس حوالے سے آپ نے کبھی بھی جھول یا نرمی نہیں برتی۔ بدعقیدہ، بدمذہب اور بے ادبوں سے کوئی رو و رعایت نہیں کرتے اور یہی صفت آپ کو ممتاز کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر قاری مشتاق احمد صاحب کو تندرست وسلامت رکھے۔ مخلوق باری تعالیٰ ان کے علم و عمل سے فیض یاب ہوتی رہے۔ آمین

بجاہِ سید المرسلین ﷺ

از۔ ظفر وسیم نقشبندی مجددی

دیباچہ

سرکاری ملازمت کے منصب سے بطور پروفیسر ریٹائرمنٹ کے بعد یہ فقیر دینی علوم کی تدریس میں مصروف ہو گیا اور یہ سلسلہ دس سال سے زائد رہا۔ فراغت کے بعد لکھنے پڑھنے کا شوق بڑھا تو ''تصوف روحِ اسلام''، ''بہار توبہ''، ''تنویر دعا''، میلاد النبی ﷺ مع تحقیق البدعۃ اور مہلکات عشرہ کے عنوانات پر کتابیں لکھنے کی توفیق وسعادت حاصل ہوئی۔ عارضۂ قلب کی وجہ سے کام میں عدم تسلسل بھی رہا۔ پچھلے کئی ماہ سے حسن و جمال حبیب رب العالمین پر ایک کتاب مرتب کرنے کی شدید تحریک ہوئی مریض قلب کے لیے حضور اکرم ﷺ کے جمال کا ذکر نہ صرف سُرورِ قلب محزون اور شفاء قلب وصدر تھا۔ آپ ﷺ کی محبت ہی روحِ ایمان ہے اور آپ ﷺ کے تذکار سے ہی روح کی تازگی ہے۔ مجھ جیسا کم علم کمینہ و بے وقعت ناکارہ و گناہ گار اس قابل کہاں تو سیدی ومولائی امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر نے حوصلہ افزائی کی۔

تجھ سے چھپاؤں منہ تو کروں کس کے سامنے
کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے

آپ ﷺ کی کریم سرکار میں اظہار محبت کی یہ تحریر شائد نظرِ کرم اور شفاعت کے حصول کا ذریعہ بن جائے اور موجۂ تبسم کی خیرات مل جائے۔ ایک ناکارہ و گناہ گار امتی کا شمار ذاکرین محبوب کریم ﷺ میں سے ہو جائے اور یہ بھی مقصود ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے پاکیزہ ذکر سے روحانی برکتیں پائیں، آپ ﷺ کی محبت کے حصول اور آپ ﷺ کی اطاعت کی طرف خوب رغبت کریں ان کے قلوب جمالِ محبوب ﷺ کے جلووں سے معمور ہوں۔ میں ظاہر و باطن سے مکمل اخلاص سے زبان وقلب سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کریم کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وَحدَہٗ لَا شریک ہے اور جملہ مخلوقات کا خالق و مالک ہے، وہ سلطان عظیم ہے اور اپنی ذات وصفات میں بے مثل ہے اور سب

تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں لا ریب وہ خود ہی حامد اور خود ہی محمود ہے اور ہم اس کی ثنا و تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کریم نے انہیں ہماری طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا انہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنایا خلق عظیم کی خلعت سے آراستہ فرمایا اور ان کے واسطے سے ہمیں کفر و شرک، ہلاکت و گمراہی کے امور سے نجات دلائی اور اپنے محبوب دین اسلام سے ہدایت اور عزت بخشی یہاں تک کہ ہمیں خیر امت کے لقب سے مالا مال کیا۔ آپ ﷺ انبیاء و رُسل کے سردار و امام ہیں اور اللہ نے آپ ﷺ پر اپنی نعمت پوری کر دی دین اسلام کو مکمل کر دیا اور آپ ﷺ کو ختم نبوت و رسالت کا تاج پہنایا۔ آپ ﷺ کے بغیر ہدایت کا کوئی وجود نہیں اور آپ ﷺ کے بغیر نجات کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ ہم غریبوں خطا کاروں کا دنیا و آخرت میں وہی وسیلہ ہیں اور ساری مخلوق ان کی محتاجِ شفاعت و رحمت ہے۔ ایک ہمیں پر منحصر نہیں کیا خدا کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی بروزِ حشر آپ ﷺ کے حاجت مند ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کریم کے حبیب و محبوب ہیں اور جو بزرگی و شان عظمت و کمال آپ ﷺ کو عطا ہوئی ہے وہ کسی اور کو ہرگز میسر نہیں ہوئی نہ ہوگی اور وہ اپنے محاسن و کمالات میں بے مثل ہیں لاشریک ہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوہر الحسن فیہ غیر منقسم

اے ہمارے پروردگار ہمیں آپ ﷺ کی محبت سے معمور فرما اور آپ ﷺ کی متابعت کی توفیق عطا فرما اور اسی پر زندہ رکھ اسی پر موت دے اور اسی زمرہ میں بروز حشر داخل فرما اور اے پروردگار ہم التجا کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پر کروڑوں درود و سلام نازل فرما اور بکثرت ایسا درود نازل فرما جو تجھے محبوب اور جو تیرے قرب کے لائق ہے اور ایسا درود نازل فرما جو تیری ان کے ساتھ محبت کا کامل عکاس ہو جس کے ساتھ تو نے انہیں ازل سے ابد تک مخصوص فرمایا ہے اور درود و سلام آپ ﷺ کی تبعیت میں آپ ﷺ کی آل و عترت، اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات امہات

المومنین، اصحاب الراشدین والمرشدین اور ان کے متبوعین تابعین، آئمہ اہل سنت و جماعت، علما شریعت، عارفان طریقت اور اولیا عظام سلام اللہ و رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بھی نازل فرما آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین۔

ایک عاصی امتی
پروفیسر قاری مشتاق احمد

حُسن و جمال کا معنی و مفہوم

حُسن

حَسَنَ یَحْسُنَ حَسْنًا باب نصر ینصر سے مصدر ہے، حسْنًا کے معنی خوبصورت ہونا ہے۔ حُسن کے معنی عمدگی اور خوبصورتی کے ہیں اور محاسن اس کی جمع ہے جس کے معنی خوبیاں اور بدن کے نظر آنے والے خوبصورت حصے ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ متعدد صیغوں اور صورتوں میں آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا (پ ۵ النساء: ۶۹) اور ان کی (انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین) باہمی رفاقت کتنی عمدہ اور خوبصورت ہے۔ مزید ارشاد ہے، وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ (پ ۲۲ الاحزاب: ۵۲) اے نبی اگرچہ ان عورتوں کا حسن آپ کو متعجب کرے۔ مزید ارشاد ہے ''الَّذِيٓ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ'' (پ ۲۱ السجدہ: ۷) وہ ذات (اللہ کریم) کہ اس نے جو شے بھی خلق فرمائی خوب بنائی (بہت خوبصورت بنائی) مزید ارشاد ہے۔ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (پ ۱ البقرۃ: ۸۳) اور لوگوں سے عمدہ (اچھی) بات کرو مزید ارشاد ہے ''فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ (پ ۲۷ الرحمن: ۷۰) ان جنتوں میں بیبیاں ہیں خوبصورت۔ مزید ارشاد ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (پ ۲ البقرۃ: ۲۰۱) اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما حَسَنَةً کے معنی خوبصورتی کے بھی ہیں مزید ارشاد ہے ''وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (پ ۲۸ الحشر) اور اللہ کے لیے ہیں اچھے (عمدہ خوبصورت) نام مزید ارشاد ہے ''وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (پ ۱ البقرۃ: ۱۱۲) اور جو احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر (بدلہ) اس کے رب کے پاس ہے۔ تو حسن کا مجموعی مفہوم کسی ذات، کسی شخص یا کسی چیز کی عمدگی اچھی بناوٹ اور خوبصورتی ہے۔

جمال

جَمُلَ، جَمَّلَ، جمالاً باب سمع یسمع سے مصدر ہے جس کے معنی خوبصورت ہونا ہے۔ خوش خلق ہونا ہے۔ صبر کرنا ہے اور جمال کے معنی خوبصورتی کے ہیں۔ أَجْمَلَ کے معنی بھی خوبصورت ہونے کے ہیں۔ أَجْمَلَ فی العمل کے معنی عمدگی سے کام کرنا ہے اور جمیل کے معنی بھی خوبصورتی اور خوش اخلاقی کے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری '' وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (پ ۱۴ النحل: ۶) اور تمہارے لیے ان (جانوروں) میں زینت عزت وشان ہے جب تم صبح انہیں چرانے کے لیے لے جاتے ہو اور جب شام کو انہیں واپس لاتے ہو۔ یہاں جمال کا لفظ عزت، بزرگی، شان اور عزت کے لیے بولا گیا ہے مجموعی طور پر جمال کے معنی خوبصورتی اور خوش اخلاقی کے ہیں۔

حسن کے بارے میں ایک قول ہے کہ ''حسن موزونیت کا نام ہے'' قرآن حکیم میں ارشاد ہے ''وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ'' (پ ۱۴ الحجر: ۱۹) اور ہم نے زمین یا پہاڑوں دونوں میں ہر چیز مناسب پیدا کی۔ یہاں موزوں سے مراد ہے مناسب جو نازیبا نہ ہو یا مراد وہ چیزیں ہیں جو وزن اور مرتبہ میں دوسری نعمتوں پر خصوصیت رکھتی ہیں یا موزوں سے مراد حکمتِ الٰہیہ کے تقاضا کے مطابق پیدائش و تخلیق ہے اور یونہی جمال رعنائی اور زیبائش کا نام ہے۔

حسن و جمال کے لغوی مفہوم کا خلاصہ یہ ہے

۱) خوبصورتی بلحاظ تخلیق و پیدائش، بشمول ظاہری و باطنی خوبصورتی یعنی حلیہ اور اس کے خدوخال اور جمال صورت

۲) نظر آنے والے بدن کے حصوں کی خوبصورتی

۳) خوش اخلاقی

یہاں مراد اخلاق حسنہ ہیں اور اخلاق کا تعلق اعلیٰ عادات و خصائل اور فضائل، محاسن اور اوصافِ حمیدہ سے ہے، جیسے حیاء، حلم، جود و کرم، امانت و دیانت، صداقت اور دیگر حسن اعمال و افعال، عبادات و طاعات سے ہے۔

۴) عمدگی

زندگی کے شب و روز اس کے احوال و معمولات اور معاشرتی و معاشی امور وغیرہ کی خوبیاں

ہمارے جید اسلاف نے اس مفہوم کو جامعیت و تفصیل سے لیا اور اپنی محبت رسول ﷺ اور اتباع و اطاعت کے عظیم علمی ورثے کتب کی صورت میں اپنے لیے بطور سرمایہ آخرت اور ہمارے لیے سامان ہدایت چھوڑے ہیں جو اس امت پر رب کریم کا خصوصی فضل اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کا کرم ہے اور یہ امت اس شعبہ میں ممتاز اور بے مثل ہے اور جمہور نے اسے شمائل کا نام دیا ہے۔ یہاں ان میں سے چند اکابر کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جنہوں نے اس سمت راہ نمائی کی اور ان کی تحریروں نے اس کتاب کی تدوین کے لیے ہمت بندھائی اور موضوع کے حوالے سے اپنے ملفوظات، محسوسات، عبارات و نگارشات اور کتاب و سنت سے ماخوذات کا ایک بے بہا سرمایہ بھی ہمارے لیے جمع کر دیا جن بزرگوں سے استفادہ کیا اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱) الشفاء — قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ
۲) شمائل ترمذی — امام ابو محمد عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ
۳) الجامع الصغیر / خصائص کبری — امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۴) مدارج النبوۃ — شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۵) کشف الغمہ / میزان الکبریٰ — امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ
۶) مکتوبات امام ربانی — حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
۷) کتب صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کی ''حلیہ'' اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تہذیب
۸) فصوص الحکم / فتوحات مکیہ — ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

حسن و جمال تخلیقِ الٰہی ہے اور اللہ کریم واجب بالذات ہے وہی معبود ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے اپنی ذات و صفات میں بے مثل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' (پ ۲۵ الشوریٰ: ۱۱) کوئی شے اس کی مثل نہیں اور وہ ہی

سمیع و بصیر ہے۔ وہ جملہ مخلوقات کا خالق ہے اس کی تمام صفات اس کی ذات کریم کے ساتھ قائم ہیں۔ یہ صفات نہ تو عین ذات ہیں اور نہ ہی غیر ذات اور بعض صفات الٰہیہ کو صفات ذاتیہ کہا گیا ہے جیسے حیات، علم، ارادہ، سمع و بصر، حسن و جمال بھی بنیادی طور پر ایک صفت ہی ہے لیکن جب ہم حسن و جمال کو ذات الٰہی کے حوالے سے بیان کریں تو اس سے مراد رب ذوالجلال کا جمال ذاتی ہے اور یہ جمال لامتناہی ہے کہ ادراک و مدرک وہم و خیال و عقل سے ماوراء ہے۔ وہ بالذات جمیل اور بے مثل ہے اور یونہی اس کی صفات کا حسن و جمال بھی بے مثل ہے مخلوق کو جو حسن و جمال دیا گیا ہے وہ ذات باری تعالیٰ ہی کی تخلیق اور عطا ہے۔ مخلوق کا حسن و جمال بھی صوری و معنوی ہے اور ذات باری تعالیٰ صورت و شکل، جسم و جسمانیت، رنگ و کیف اور جہت و سمت سے پاک ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء بلحاظ تخلیق احسن ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ'' (پ ۲۱ السجدہ: ۷) وہ ذات یعنی رب کریم نے جو شے بھی بنائی خوب بنائی۔ اس کے اسماء میں سے ایک اسم ''اَلْمُصَوِّرُ'' ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ'' (پ ۲۸ الحشر: ۲۴) المصور کے معنی ہیں صورتیں بنانے والا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے ''هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ'' (پ ۳ آل عمران: ۶) وہ ذات باری تعالیٰ ہے جس نے ماؤں کی رحموں میں تمہاری صورتیں بنائیں جس طرح چاہا، مزید ارشاد ہے ''فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ'' (پ ۳۰ انفطار: ۸) جس صورت میں بھی چاہا تمہیں ترکیب دیا (بنا دیا) پھر کیسا بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ'' (پ ۲۸ التغابن: ۳) اور تمہاری صورتیں بنائیں پھر تمہاری صورتوں کو خوب ہی حسین بنایا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ مخلوق کا حسن عطائی ہے اور وہ محدود ہے اور وقت کے ساتھ تغیر پذیر اور حادث ہے۔ حسن معنوی یا کمالات و محاسن کا بھی یہی حال ہے۔ جب مخلوق کی ذات فانی ہے تو اس کا حسن و جمال بھی فانی ہے۔ خالق حسن و جمال فنا سے حدوث و تغیر سے پاک ہے اور اس کا حسن و جمال ازلی، ابدی، لازوال، لامحدود اور بے مثل ہے قائم بالذات ہے۔ اس کی ذات کریم اور اس کا جمال لازم و ملزوم ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے ''اللہ جمیل ویحب الجمال'' (ترمذی) اللہ کریم بالذات

جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔ اللہ اسم ذات ہے، جمیل اس کی صفت وخبر اول ہے۔ یہ مبتدا ہے اور یحب الجمال خبر ثانی ہے یعنی جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔ اس حدیث کا ایک مفہوم ہے کہ اللہ بالذات جمیل ہے، اس کا جمال بے مثل ہے، اپنے جمال میں یکتا ویگانہ اور خود ہی اپنی مثل ہے۔ وہ جمال کو محبوب رکھتا ہے اس ''خبر ثانی'' میں لفظ 'یحب' بولا گیا ہے اور یہ فعل مضارع ہے جو حال و مستقبل دونوں کو شامل ہے لیکن یاد رہے، کہ اللہ کریم زمان ومکان سے پاک ہے وہ خود ہی دَھر ہے لہٰذا مفہوم یہی ہوگا کہ اس ذات جمیل کے ہاں ''جمال'' محبوب دوامی ہے اور اس کی جمال پسندی ازلی وابدی ہے یا اس کی پسند ہی جمال ہے۔ حُبًّا مصدر ہے مُحِبٌ اس سے اسم فاعل اور محبوب اسم مفعول ہے۔ حُب فعل ہے لفظ حُب تین امور کا مطالبہ کرتا ہے (۱) محبت کرنے والا (محب) (۲) وہ جس سے محبت کی جائے (محبوب) (۳) محبت کی وجہ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور واجب الوجود کا یہی معنی ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''کان اللہ ولم یکن مَعَهٗ شئی'' ذات تعالیٰ باری تھی اور اس کے علاوہ کوئی اور تھا ہی نہیں۔ حدیث ھذا سے یہ تو واضح ہے ''یُحِبُّ'' کا فاعل یعنی اللہ مُحب ہے اور حُب اس کا فعل اور جس سے محبت کی گئی وہ مفعول یعنی محبوب کون ہے کیونکہ یہاں ''یُحب الجمال'' میں لفظ جمال مطلق بولا گیا ہے اس سے مراد یا تو جمال محبوب ہے یا وہ ہر شے جو اس نے پیدا کی اسے محبوب وخوب بنایا لیکن جب وہ خود جمیل لامتناہی ہے تو اس ذات جمیل کی محبت اول کا مظہر کون ہے کہ جب وہ تھا تو اس کے علاوہ کوئی اور تھا ہی نہیں یعنی خارج میں کچھ تھا ہی نہیں۔ یحب الجمال پر غور ضروری ہے کہ پسندیدہ شے بصورت مخلوق جو کہ ابھی تھی ہی نہیں تو محبوب جمیل کون تھا؟ حدیث قدسی ہے اللہ کریم نے فرمایا ''کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًا'' میں ایک مخفی خزانہ تھا، ''فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ'' پس میں نے محبت کی (پسند کیا یا چاہا) کہ میں پہچانا جاؤں ''فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ''، سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ تو یہ محبت ہی ہے جس نے سلسلہ ایجاد وتخلیق کو حرکت دی اور اشیاء کے وجود کا باعث وسبب ہوئی اور محبت تخلیق موجودات ومخلوقات سے مُقدّم ہے جیسا کہ فَخَلَقْتُ کی فاء (تعقیب) سے ظاہر ہے۔ ذات باری تعالیٰ جو بالذات جمیل ہے اس نے فرمایا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۱۸ سورۂ نور ۳۵)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یہاں حضرات اکابر رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے (i) اس سے مراد ہے آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنیوالا یعنی نور بمعنی منور ہے (ii) اس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے جس کی صفت نور ہے اور وہ صفت خود سے واجب نہیں بلکہ ذات واجب الوجود (اللہ کریم) سے واجب ہے۔ کیونکہ صفات باری تعالیٰ جنہوں نے تعین وتمیز پیدا کیا ہے باوجود قدیمی ہونے کے خود واجب نہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے ''حِجَابُهٗ نُوْرٌ'' اس کا حجاب نور ہے۔ اس کی مثال سورج کی شعاعوں کی طرح ہے جو کہ سورج کی گول ٹکیا کا حاجب ہیں اور عین شمس سے منتشر ہو کر اس کا حجاب ہو گئیں۔ حدیث شریف میں ہے ان اللہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمة لو کشفت الحرقت مسجات وجھه با انتھیٰ الیه بصره من خلقه'' (بے شک اللہ کریم کے نور وظلمت سے ستر ہزار پردے ہیں اگر وہ کھل (ہٹ) جائیں تو اس کی ذات کریم کے انوار ہر اس شے کو جلا کہ راکھ کر دیں جہاں تک اس کی مخلوقات کی نظریں منتہی ہوں'' ستر ہزار پردے بیان ہے جو کثرت عدد کو مستلزم ہے اور ذات پاک ان حجابوں سے وراء الوراء ہے۔ اگرچہ کوئی حجاب آخری ہی سمجھا جائے اور یہ نور تعین کے دائرہ میں داخل نہیں لہٰذا عدمیت کی بُو سے پاک ہے ''وللہ المثل الاعلیٰ'' اور اللہ ہی عظمت و صفات والا بلند ہے۔ یہ بلند مرتبہ تجلیات ذاتیہ سے اوپر ہے اور ان کا منشا وہی خالص نور ہے اگر اس کا واسطہ نہ ہو تو تجلی حاصل نہیں ہوتی ذات باری جو عین نور ہے وہ بے چون و بے چگون ہے۔ وہ تمام کمالات خواہ وہ وجوبی ہوں یا امکانی، نور کے ظلال ہیں اور نور کے ساتھ قائم ہیں۔ وجود بھی نورِ وجود سے ظاہر ہوا ہے اور آثار کی ابتدا ہوا ہے۔ پہلا تعین جو حضرت نور سے ظاہر ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مخلوق کہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے اول ما خلق اللہ نوری' اول چیز جو اللہ نے پیدا فرمائی ہے وہ میرا نور ہے۔ فصوص الحکم میں عارف ربانی امام المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ نے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم جملی سے تعبیر کیا ہے اس کو تعین اول کہا ہے اور تجلیٔ ذات جانا ہے۔ ''اولیت'' کے ذکر میں بعض اور چیزوں کا بھی ذکر ہے جیسے ارشاد نبوی ہے ''اول ما خلق اللہ القلم'' اللہ تعالیٰ نے جو چیز اول پیدا کی وہ قلم ہے اور مزید ارشاد ہے ''اول ما خلق اللہ العقل'' اول شے

جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل ہے۔ اکابر نے اس میں تطبیق فرمائی کہ جب تخلیق قلم ہوئی تو ذات باری تعالیٰ نے اسے لکھنے کا حکم فرمایا۔ قلم نے عرض کیا میرے خالق میں کیا لکھوں ارشاد ہوا ''اکتب مَا کَانَ وما یکون الی الابد'' لکھ دے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اسی حدیث میں مزید ہے **جفت القلم بما ھو کائن** قلم نے لکھا اور خشک ہو گیا یہ حدیث صحت کے لحاظ سے قوی ہے اور اس میں اصحاب جرح کو کچھ کلام نہیں۔ اکابر رضی اللہ عنہم نے فرمایا اس حدیث سے قلم کی تخلیق اول کیسے ہوگئی جبکہ اسے لکھنے کا حکم دیا گیا جو اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا تو لازماً ''اول ما خلق اللہ نوری'' کو حقیقی اولیت حاصل ہے۔ دوسری حدیث جو عقل کی اولیت بیان کرتی ہے اس کی صحت پر اصحاب جرح و تعدیل کو کلام ہے لہٰذا مستند نہیں اگر اسے بالفرض ''صحیح'' مان بھی لیا جائے تو عقل عرض ہے جوہر نہیں اور کوئی عرض بغیر جوہر کے قائم نہیں ہو سکتا اور یہ کہ عقل صفت ہے اور صفت کے لیے موصوف مستلزم ہے۔ کوئی صفت موصوف کے بغیر قائم نہیں ہوتی۔ مزید یہ کہ حدیث شریف میں ہے جب ذات باری تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اس کے سو حصے کیے اور ننانوے حضرت سرورِ عالم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا فرمائے اور ایک حصہ ساری مخلوق کو دیا تو عقل کا موصوف اس حدیث سے واضح ہے لہٰذا ''اول ما خلق اللہ نوری'' والی حدیث اور بھی محقق ہو گئی۔ آپ ﷺ نے ''نوری'' فرما کر اپنی طرف نسبت کی ہے تو یہ حقیقت محمدیہ ﷺ کا مرتبہ تھا اور یہی ''تعین اول'' ہے۔

شیخ احمد سرھندی مجدد ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ امر بخوبی جان لینا چاہیے کہ تخلیق محمدی ﷺ دوسرے افراد انسانی کی تخلیق و پیدائش کی طرح ہرگز نہیں ہے اور عالم کے افراد میں سے کسی فرد کی پیدائش سے بھی مناسبت نہیں رکھتی کہ حضور اکرم ﷺ باوجود ظاہری عنصری پیدائش کے اللہ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''خُلِقْتُ مِنْ نُورِ اللہ'' میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور کسی دوسرے کو یہ دولت و فضیلت ہرگز حاصل نہیں ہوئی ہے اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ انہوں نے سرور عالم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ

کریم نے سب سے اول کسے خلق فرمایا تو ارشاد فرمایا ''**ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ**'' بے شک اللہ کریم نے تمام چیزوں کی پیدائش و تخلیق سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا یہ حدیث بڑی جامع ہے اور اس سے واضح ہے۔

۱) سب سے اول تخلیق نورِ محمدی ﷺ ہے جب کہ کچھ بھی نہ تھا لفظ ''اِنَّ'' حرف تحقیق ہے کہ یہ بات حقیقی اور قطعی ہے۔

۲) اللہ نے انہیں اپنے نور سے پیدا فرمایا حرف جار مِن بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں کہ ذات باری تعالیٰ تقسیم سے مُبراء اور کمی و نقصان سے پاک ہے یا پھر نور ذات کی طرف مشیر (اشارہ) ہے اور تخلیق نور محمدی تجلی ذات کریم ہے جس کا محرک آپ ﷺ کی شان محبوبیت ہے یہ تجلی ذات ہو بہو ہے۔ امام المکاشفین ابن عربی رحمۃ اللہ نے فصوص الحکم میں لکھا ہے ذات کی تجلی صورت متجلی (جس پر تجلی کی گئی) پر ہی ہوتی ہے۔

۳) خود حضور ﷺ نے اپنے لیے لفظ ''نور'' (نور نبیک) فرمایا

۴) خود حضور ﷺ نے لفظ ''نبی'' ذکر کیا اور نبی اسم فاعل ہے نَبَاء سے اور نبوت صفت ہے اور کوئی صفت موصوف کے بغیر قائم نہیں ہوتی لہٰذا حضور اکرم ﷺ بالفعل نبی تھے نہ کہ بالخارج اور جب کچھ بھی نہ تھا آپ ﷺ صفات نبوت سے متصف تھے اور لفظ نبی کا اطلاق واضح ہے اور اس کی شان اولیت بھی خوب روشن ہے۔ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کل خلائق من نوری و انا من نور اللہ'' اور ساری مخلوقات میرے نور سے ہے اور میں اللہ کے نور سے ہوں۔ نور صفتِ الٰہی ہے اور وہ بالذات نور ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ حضور اکرم ﷺ ذات حق سے مخلوق ہیں یعنی مخلوق ذاتی ہیں اور باقی سب مخلوقات کی پیدائش کا باعث و سبب ہیں، بقول شاعر

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا　　سب غائتوں کی غائت اولیٰ تمہیں تو ہو

ﷺ

جہاں تک دوسری مخلوقات کی تخلیق کا تعلق ہے وہ دو حال پر ہے

(۱) تکوینی (۲) تخلیقی

تکوینی مخلوق وہ ہے جو امر کن سے پیدا ہوئی ارشاد باری تعالیٰ ہے" اذا اراد شیاً ان یقول له کن فیکون، جب اللہ کسی شے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے جیسے فرشتے۔

تخلیقی مخلوق وہ ہے کسی مادہ سے تخلیق ہوئی جیسے اللہ کریم نے فرمایا" خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (آیت:۲،علق) صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (آیت:۲۶،الحجر) اللہ نے انسان کو کھنکھناتی (بدبودار مٹی) سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام جو بشریت و انسانیت کے باپ ہیں ان کے بارے میں فرمایا "خلقه من تراب" اللہ نے اسے مٹی سے تخلیق کیا۔ ارشاد باری ہے، اللہ خالق کل شئی اللہ ہر شے کا خالق ہے مزید ارشاد ہے هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (آیت ۲۴:الحشر) وہ اللہ ہے جو پیدا کرنے والا ہے بنانے والا ہے صورتیں بنانے والا ہے۔

تخلیق موجودات میں آپ ﷺ سب سے اول ہیں اور کتاب اللہ میں اس طرف واضح اشارہ ہے" هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ" (آیت:۳،الحدید) وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن اور وہی ہر شے کو جاننے والا ہے۔ اگرچہ یہ آیت مبارکہ حمد وثنائے الٰہی اور اسماء حسنیٰ کے ذکر سے معمور ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کی نعت وصفات پر بھی مشتمل ہے کیونکہ کتاب اللہ میں ان اسماء وصفات الٰہیہ کے ساتھ آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے اگرچہ آپ ﷺ مظہر ذات، مظہر جملہ صفات الٰہیہ ہیں اور انہیں سے متخلق ومتصف ہیں جیسے حق، رؤف الرحیم، شہید، ھادی، العزیز، ولی، المومن، نور اور حکیم آیت مذکورہ میں چاروں صفات بھی منجملہ اسمائے حسنیٰ سے ہیں۔ "اول" کے حوالے سے یہ بات پیش نظری ہے کہ تخلیق موجودات میں آپ ﷺ ہی "اول" ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی اسی عظمت کا خود ذکر فرمایا ہے کہ "کذا فی الحدیث اول ما خلق اللہ نوری" رب ذوالجلال نے ان مذکورہ صفات کا ذکر فرما کر آپ

ﷺ کے شمائل حسن وجمال اور خصائل کا آئینہ دار بنایا ہے اور کسی کا ظہور آپ ﷺ کی طرح (مثل) نہیں اور نہ ہی کوئی نور موجودات میں آپ ﷺ کی طرح (مثل) ہے اور نہ ہی کوئی آپ ﷺ جیسی شان وعظمت کا مالک ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے مکارم اخلاق کے سلسلے میں فرمایا "کان خلقه القراٰن" (ترمذی) آپ کا خلق قرآن ہے۔ قرآن کلام الٰہی ہے اور کلام صفت الٰہی ہے تو معنی واضح ہو گئے کہ قرآن گو کلام رب ذوالجلال ہے مگر یہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کا بیان ہے اور خلق صفت ہے ذکر ذات نہیں تو خلق آپ ﷺ کی صفت ہے اور قرآن حکیم آپ ﷺ کا بیان خلق ہے اور قرآن کی مثل محال ہے تو جس ذات کریم کی صفت قرآن ہے وہ کیوں کر بے مثل نہ ہو گا۔ جب اس ذات کریم کی صفت بے مثل ہے تو ذات کریم بدرجہ اولیٰ بے مثل ہو گی جس کی حقیقت تک ہماری رسائی نہیں تو مادر مہربان کا ارشاد مزید واضح اور محقق ہو گیا۔ ان کا یہ ارشاد ان کی کمال معرفت اور رسائی کا آئینہ دار ہے۔

ایک اور زاویے سے اس حدیث قدسی کی تشریح جس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا" میں ایک مخفی خزانہ تھا" واحببت ان اعرف" میں نے محبت کی (چاہا) کہ میری پہچان ہو تو یہاں بھی وہی مسئلہ ہے کہ محبوب کون تھا تو حضرت اکابرین رضی اللہ عنہم نے فرمایا اللہ کریم بالذات علیم ہے یعنی علم صفات ذاتیہ میں سے ایک ہے اور اکابرین شریعت وطریقت کا قول ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کی پوری علم ہے۔ پوری کی پوری قدرت ہے، تمام صفات میں سبقت لے جانیوالی صفت "حیٰوۃ" ہے اور صفت علم حیٰوۃ کے تابع ہے تو علم الٰہی میں جو صورت محبوب تھی (صور علمی) اللہ نے چاہا کہ وہ جلوہ گر ہو اور خارج میں اس کا ظہور ہو تو وہ صورت کیا تھی اس حدیث میں اس کی کچھ صراحت ملتی ہے" وان اللہ تعالیٰ خلق ادم علی صورته" بے شک اللہ کریم نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا تو اللہ کریم صورت سے پاک ہے اور اگر صورته کی ضمیر کا مرجع حضرت آدم علیہ السلام کو قرار دیں تو بھی معاملہ وہی کہ وہ صورت کیا تھی جس پر وہ وجود میں آئے تو اس حدیث پر خوب بحث ہے۔

اول یہ کہ اگر صورته کی "ہ" ضمیر کا مرجع اللہ ہے وہ صورت وشکل خدوخال سے پاک ہے۔

صورت کے معنی صفات کے لیے جائیں تو یہ زیادہ درست ہے کہ اللہ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی صفات پر پیدا فرمایا، اپنی صفات کا مظہر بنایا، جیسے علم، سمع، بصر اور انبیاء علیہ السلام اسماء ذاتیہ پر ہی تخلیق ہوئے اور اسماء مظہر صفات الٰہیہ بھی ہیں۔ دوم یا ''صورۃ'' سے مراد ہے اپنی سیرت پر پیدا فرمایا اور اس میں سیرت الٰہیہ کے انور ودیعت فرمائے (سوم) یا مراد ہے **علیٰ صورت حبیبہ** ﷺ یعنی اپنے محبوب کریم کی صورت ظاہری پر پیدا فرمایا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام کے قالب میں روح پھونکی گئی تو انہوں نے عرش الٰہی پر لکھا ہوا کلمہ ''**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' دیکھ اور پڑھ لیا اور عرض کی پروردگار یہ محمد (ﷺ) کون سی ذات کریم ہے جن کا نام نامی تو نے اپنے نام کیساتھ لکھا ہے تو ارشاد ہوا **کذا فی الحدیث**

۱) **لولاک لما خلقتک** اگر وہ نہ ہوتے (محمد ﷺ) تو میں تمہیں بھی خلق نہ فرماتا

۲) **لولاک لما خلقت الافلاک** اگر وہ نہ ہوتے (محمد ﷺ) تو میں کائنات ہی کو نہ بناتا

۳) **لولاک لما خلقت السمٰوت والارض** اگر وہ نہ ہوتے (محمد ﷺ) تو میں آسمانوں اور زمین کو پیدا نہ کرتا

۴) **لولاک لما اظہرۃ الربوبیۃ** اگر وہ نہ ہوتے (محمد ﷺ) تو میں اپنا پروردگار ہونا بھی ظاہر نہ فرماتا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی کنیت ''ابومحمد'' رکھی علماء نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ بظاہر آپ علیہ السلام محمد ﷺ کے باپ ہیں لیکن حقیقت میں وہ تمہارے باپ ہیں یا تمہاری تخلیق کی غایت اولیٰ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ''**کل خلائق من نوری**'' تمام مخلوق میرے نور سے تخلیق ہوئی اور ایک روایت میں ہے ''**و المومنون من نوری**'' اور سبھی ایمان دار میرے نور سے ہیں جملہ موجودات کی اصل حضور ہی ہیں۔ ''صورتہ'' کے حوالے سے ایک اور حدیث قابل توجہ ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے ''**انا مراۃ الحق**'' میں حق کا آئینہ ہوں اور مزید ارشاد ہے ''**من رانی فقد رای الحق**'' جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا اگر صغریٰ کبریٰ ہٹا دیں تو مطلب یہی ہو گا صورت

محمدی ﷺ ہی صورتِ حق ہے گو حق صورت سے پاک ہے یعنی صورت محمدی ﷺ ہی جمال احدیت کا آئینہ اور بے صورت کی طرف یہی صورت رہنما ہے اور برکۃ الہند شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''آپ ﷺ ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور حق آپ ﷺ میں بالذات ہے اور ان کے سوا جو بھی ہے، سب سے تمام صفات اور جمیع کمالات میں خالق ومنفرد ہیں۔ ہیہات، ہیہات ہمارا اجتماع کہاں اور حقیقت ذات کہاں، ظہور شوق ذاتیہ کہاں اور بروز حقائق اسمائیہ وصفاتیہ کہاں پھر ارشاد فرمایا کہ میں اپنی ذات سے ایک ایسی حقیقت پیدا کرتا ہوں جو جملہ کمالات اسماء وصفات ذات کی جامع ہو کہ جملہ کمالات کی کنہ میں مرکوز ہو کہ نہ پہچانا جائے اور نہ ہی حقیقت تک رسائی اور اس کی توصیف نہ کی جا سکے اور اس کی نسبت اکمل، مظہر اتم ہو محملی اغر و افضل ہو'' (مدارج النبوۃ)

مندرجہ بالا توضیحات سے واضح ہو گا کہ حضور اکرم ﷺ اس ''مخزن مخفی'' (ذات رب کریم) کی معرفت وعرفان کے لیے توجہ حق کے مقصود وحید ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ کے سوا ہے ہر شے فرع کی مانند ہے اگر روحِ محمدی ﷺ نہ ہوتی تو نہ ہی ایجاد مخلوقات کا وقوع ہوتا اور نہ ہی کوئی خدا کو جانتا تو گویا آپ ﷺ وجود موجودات کے لیے ''واسطہ اولیٰ'' ہیں اور خدا کی خدائی میں آپ ﷺ کے سوا کوئی حبیب اللہ مطلق نہیں۔ ہمارے شیخ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''حسن و جمال محمدی ﷺ جس سے رب ذوالجلال کی محبت کا تعلق ہے اور حضور اکرم ﷺ جس جمال کے ساتھ اللہ کریم کے محبوب ہوئے ہیں اس ملاحت کی وجہ سے ہے (ارشاد نبوی ہے ''**انا املح واخی یوسف اصبح**'' میرا حسن ملاحت ہے اور میرے بھائی یوسف علیہ السلام کا حسن صباحت ہے) جو وہ رکھتے ہیں محبوب خلاق کائنات ہیں اور زمین و زمان سب انہیں کے طفیل ہے''۔

''صفات الٰہیہ حقیقیہ (صفات ثمانیہ۔ آٹھ صفتیں جیسے علم، حیات اور ارادہ) اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو انہیں ذات الٰہیہ سے ہے امکان کی بُو ان میں

داخل ہے اور جب حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہے کہ اللہ کی صفات اضافیہ میں بطریق اولیٰ ثبوت امکان ہوگا اور کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اس امکان سے ہوئی ہے جو صفات ''اضافیہ'' سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو جملہ ممکنات عالم میں ثابت ہے جب وجود محمدی ﷺ عالم ممکنات سے نہ ہوگا بلکہ اس عالم سے اوپر ہوگا تو لازماً ان کا سایہ نہ ہوگا کہ آپ ﷺ سے زیادہ لطیف کوئی شے عالم میں نہ ہوگی، یہ صفت علم صفات حقیقیہ سے اور وجود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے اور جب کوئی نسبت لاحق ہوتی ہے تو وہ صفت تقسیم ہو جاتی ہے جیسے علم اجمالی یا علم تفصیلی، صفت علم کی یہ اقسام صفات اضافیہ سے ہوں گی اور ثابت ہوں گی جو صفات اضافیہ کا مقام ہے۔ علم جملی جو صفات اضافیہ سے ہے وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں اصلاب طاہرہ سے ارحام پاکیزہ متکثرہ سے گزرنے کے بعد حکمت و مصلحت الٰہیہ کے مطابق صورت انسانی میں (جو بہترین شکل وصورت ہے) ظاہر ہوا ہے اس کا نام محمد اور احمد (ﷺ) ہوا۔ مزید فرماتے ہیں:

اگرچہ اس دنیا میں دو تہائی حسن حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے مسلمہ ہے اور باقی ایک تہائی تمام میں منقسم ہوا ہے لیکن عالم آخرت میں حسن صرف حسنِ محمدی ﷺ ہے اور جمال بھی صرف جمالِ محمدی ﷺ ہے کہ وہ محبوب رب العالمین ہیں۔ دوسروں کا حسن ان کے حسن سے کیوں کر مشارکت کر سکتا ہے کہ ان کا حسن اتحادیت کے واسطے سے عین مطلوب کا حسن ہے اور دوسروں کو اتحاد حاصل ہی نہیں ہے تو وہ حسن بھی نہیں ہے پس حضور اکرم ﷺ کی ولادت و پیدائش باوجود حادث ہونے کے اس کا اعتماد قدم ذات باری سے ہے اور ان کا امکان بھی ذات حق سبحانہ وتعالیٰ تک منتہی ہوا تو ان کا حسن ذات الٰہی کا حسن ہوا کہ اس میں غیر حسن کی شرکت و آمیزش نہیں۔ جب اس طرح ہوا تو لازماً حضور اکرم ﷺ جن سے محبت متعلق ہے جمیل مطلق ہوئے اور محبوب رب العالمین ہوئے **''فان اللہ تعالیٰ جمیل و یحب الجمال''** اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے (صحیح مسلم، ترمذی)

میں کہتا ہوں امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو خوب بیان کیا۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ   فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

محبت کی دو قسمیں ہیں۔

اول وہ جو محب (محبت کرنیوالے) کی ذات سے متعلق ہے۔

دوم، وہ جو محب کی ذات کے غیر سے تعلق رکھتی ہے۔

قسم اول محبت ذاتی ہے اور یہ محبت کی اعلیٰ قسم ہے کہ کوئی شخص اپنی ذات سے بڑھ کر کسی شے کو اس طرح محبوب نہیں رکھتا جیسا کہ اپنی ذات کو اور یہ قسم خوب مستحکم اور مضبوط ہے جو کسی سبب کے لاحق ہونے پر زوال پذیر نہیں ہوتی اور اس کی محبت کا متعلق محبوب خالص ہے جو محبیت کا شائبہ نہیں رکھتی جبکہ محبت کی قسم دوم اس کے برعکس عارضی اور زائل ہو جانے والی ہے اور اس کا متعلق بھی ایک حیثیت سے محبوب ہے لیکن ان گنت وجوہ سے محبیت بھی رکھتا ہے چونکہ سرور عالم ﷺ کا حسن و جمال اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال پر تکیہ رکھتا ہے جیسا کہ پیچھے گزرا کہ لازماً پہلی قسم کی محبت جو ذات باری تعالیٰ سے متعلق ہے وہ حضور اکرم ﷺ سے ہی متعلق ہوگی اور اس محبت کے تعلق کی نسبت ذات خدا کی طرح ہوگی اور حضور اکرم ﷺ ہی صرف محبوب خالص ہوں گے۔ جبکہ کسی اور کو یہ دولت میسر نہیں اور محبوب مطلق صرف آپ ﷺ ہی ہوں گے جو محب کی ذات کی طرح ہمیشہ محبوب ہیں۔ مزید لکھتے ہیں:

علم کو ذات عالم سے اتحاد ہے اور ایسی نسبتی جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے اس مقام پر احمد کا احد سے قرب معلوم ہونا چاہیے کہ وہ واسطہ جو ان کے درمیان ہے وہ صفت علم ہے جو مطلوب سے اتحاد رکھتا ہے پس اس جگہ حجاب کی کوئی گنجائش نہیں مزید یہ کہ علم کا ایک ذاتی حسن ہے جبکہ دوسری صفات کے لیے ایسا ذاتی حسن ثابت نہیں اور رب کریم کی محبوب ترین صفت ''علم'' ہے جس کا حسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے لہٰذا حسن و ادراک سے قاصر ہے اور اس حسن کا ادراک اور رویت آخرت سے وابستہ ہے جب رب کریم کو دیکھیں گے جمال محمد ﷺ تک رسائی ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی بلند بات کی ہے اور یہ انہیں کا حصہ ہے کہ یہ دنیا محل و مقام رویت باری نہیں بلکہ رویت آخرت سے وابستہ ہے تو اس ضمن میں عرض ہے کہ ایک نقطہ

نظر صوفیاء کا بھی ہے۔ عارف ربانی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں دنیا میں مشاہدہ کا وقوع جائز ہے مگر دل کی آنکھوں سے کہ مشاہدہ کا مقام دل کا دیکھنا ہے جبکہ صاحب تعرف امام کلابازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رویت باری تعالیٰ دل اور آنکھ سے ناممکن ہے کیونکہ رویت باری تعالیٰ یقین کی جہت سے ہے اور اسی پر صوفیاء کا اجتماع ہے اور ائمہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ رویت باری تعالیٰ اس دنیا میں ممکن ہے اگرچہ اس کا وقوع نہ ہو اور اس پر قرآن حکیم سے استدلال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جن کو شرف ہم کلامی سے عطا کیا گیا۔

انہوں نے بارگاہ صمدیت میں عرض کی ''رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ'' (آیت: ۱۴۳، الاعراف ۸) پروردگار مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں ارشاد ہوا ''لن ترانی'' تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ علماء تفسیر نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام علوم میں ممتاز اور منفرد ہوتے ہیں اور وہ ایسا سوال کر ہی نہیں سکتے جو ناممکن ہو تو عرض کلیم علیہ السلام سے واضح ہے کہ رویت باری تعالیٰ ممکن ہے اور یہ ارشاد کہ تو ہرگز مجھے نہ دیکھ سکے گا حضرت کلیم اللہ علیہ السلام سے متعلق ہے کسی اور سے متعلق نہیں اور سائل کو مسئول کا جواب ہے تو اس سے بھی واضح ہو کہ کسی اور کے لیے مطلق نفی نہیں پھر اسی آیت میں ''انظر الی الجبل'' پہاڑ کی طرف (کوہ طور کی طرف) دیکھ ''فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ'' (پ ۸، الاعراف، آیت ۱۴۳) اگر پہاڑ اپنے مکان پر قائم و مستقر رہا تو تو جلد مجھے دیکھے گا فَاِنِ حرف شرط ہے اور اس ٹکڑے میں امکان ہے اگر قائم رہا، دیکھ سکے گا، یہ امکان رویت پر قوی بات ہوگئی، جمہور اہلِ سنت کا مذہب یہی ہے کہ رویت باری تعالیٰ ممکن ہے اگرچہ اس دنیا میں اس کا وقوع نہ ہو، رہی آخرت تو قرآن حکیم میں ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (پ ۲۹ القیامۃ، آیت ۲۳،۲۲) اس روز تر و تازہ چہرے اپنے پروردگار کو دیکھتے ہوں گے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ رویت باری تعالیٰ کا محل آخرت ہے اصولی بات ہے میں کہتا ہوں کہ جب یہ دنیا محل و مقام رویت نہیں تو جمال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو جمال الٰہی کا مظہر ہے حقیقت میں اس کا دیدار کیوں کر ممکن ہے حق یہی ہے مکاشفین و مشاہدین پر ظاہر سراپا مبارکہ کا حسن و جمال بھی بے مثل ہے تو جو جمال حقیقی ہے اس تک لوگوں کی رسائی نہیں لاریب جس طرح جمال الٰہی کا

حجاب نور ہے ستر ہزار پردے نور تک حجاب ہیں اور یہ نور بھی دائرہ تعین میں داخل نہیں اور ذات باری جو عین نور ہے بے چون و چگون ہے اور جمال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اسی ذات نور کا ظل ہے اور تعین اولیٰ ہے وہ بھی انوار کے ہزاروں حجابوں میں مستور ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''لم یعرفنی حقیقتی ماسواءِ ربی'' میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا (پہچانتا) اور ایک جگہ اور موقعہ پر ارشاد فرمایا ''من رانی فقد ری الحق'' جس نے مجھے دیکھا، بے شک اس نے حق کو دیکھا یعنی مجھے ہی صحیح دیکھا لیکن علماء فرماتے ہیں حق سے مراد یہاں ذات باری تعالیٰ ہے یعنی حق ہی کو دیکھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ میری زیارت بلاشبہ رویت حق کی طرف ہی راہ نمائی ہے، عارف گولڑہ سیدی مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے

دے صورت راہ بے صورت ۱۰ تو بہ راہ کی عین حقیقت دا
ایتھے کم نہیں بے سوجت دا کوئی ورلیاں موتی لے تریاں

حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تو کسی کی رسائی نہیں لیکن یہ حقیقت کائنات کی ہر شے اور ہر ذرے ذرے میں سرائت کیے ہوئے ہے یہ اس کی حقیقت کے ظلال و عکوس ہیں۔ ذات حقیقت تک عرفان کی پہنچ نہیں جس طرح جمال الٰہی مخلوق کے حق میں حجابوں میں محجوب ہے جبکہ وہ خود ان حجابوں سے پاک ہے، منزہ ہے کہ کوئی اسے چھپا سکے اور اگر وہ حجاب کھل جائیں تو جلا کر راکھ کر دیں اور کوہ طور کو دیکھو کہ ایک تجلی (وہ بھی صفاتی اور سوئی کے ناکہ کا سترہواں حصہ) نے اس کو جلا کر رکھ دیا اور کلیم حق اس میں خود کھو گئے حالانکہ یہ تجلی ذات نہ تھی اور جو تجلی ذات ہے وہ ''تعین اول'' ہے ''نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے اگر ان کا جمال بے پردہ ہو تو کون دید کی تاب رکھتا ہے اور کس میں اس کی برداشت و استطاعت ہے۔ جب تجلی صفات کا یہ عالم کہ کوہ طور جل گیا تو تجلی ذات کی عظمت کیا ہوگی اور اسی کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا۔ حسن رضا علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے ع

وہ اگر جلوہ کریں تو کون تماشائی ہو

ذات باری تعالیٰ نے اس نور پاک محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آدم علیہ السلام کی پشت میں پھر پیشانی میں

رکھا یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ''ابو محمد'' رکھی جس میں اشارہ ہے کہ ظاہر میں وہ باپ ہیں لیکن حقیقت میں تخلیق آدم کا باعث حضور اکرم ﷺ ہی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ''لولاك لما خلقتك'' اگر محبوب کریم نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ رب الکریم نے تخلیق کائنات سے دو ہزار سال پہلے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی مدح میں کیا خوب کہا۔

وَ شَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ   فَذُو الْعَرْش مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

اسمِ ذات تو محمد ﷺ ہی ہے لیکن آپ ﷺ کے صفاتی اسماء بکثرت ہیں اور علماء امت نے اس حوالے سے کمال سعی فرمائی ہے شکر اللہ سعیہم وعلیہم الرضوان اور بعض نام تو خود آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہوئے ہیں جیسے ماحی، حاشر اور عاقب اور احادیث اس سلسلہ میں کافی ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''البهحة السنيه فى الاسماء النبويه'' میں پانچ سو اسماء گرامی نقل کیے ہیں اور اسماء کے بیان کا عدد ہزار سے کہیں زیادہ ہو چکا ہے۔ کتاب اللہ میں بھی آپ ﷺ کے نام بکثرت اخذ کیے گئے ہیں اور ''محمد'' اور ''احمد'' تو واضح طور پر مذکور ہیں۔

محمد، محمود سے بروزن مفعول مشتق ہے اور محمود اللہ کا صفاتی نام ہے محمد کے معنی ہیں ''الذی یحمد مرة بعد مَرةٍ كرةٍ بعدَ كرةٍ'' یعنی جس کی بار بار تعریف کی جائے اور تعریف کے بعد پھر تعریف کی جائے۔ ''احمد'' کے معنی ہیں سب سے بڑھ کر حمد (الٰہی) کرنیوالا یہ اسم تفضیل برائے فاعل ہے یہ دونوں نام دراصل ایک ہی ہیں جو ''حمد'' سے مشتق ہیں اور مبالغہ کے معانی کو سموئے ہوئے ہیں۔ بروز قیامت آپ ﷺ کے دست مبارکہ میں ''لواء الحمد'' ہوگا اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز قائم فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری ہے ''عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا'' (پ ۱۵ بنی اسرائیل: ۷۹)

حضور اکرم ﷺ کے اسماء گرامی جملہ کمالات و فضائل، افعال و اخلاق اور جمال کلی اور جلال کے جامع ہیں۔ اسماء کی کثرت مسمیٰ کی عظمت و شان پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ اسماء صفات و افعال سے ماخوذ ہوتے ہیں اور یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضور سرور عالم ﷺ رب ذوالجلال

کے تمام اسماء وصفات کے کمالات کے جامع اور تمام اخلاق الٰہیہ سے متخلق اور متصف ہیں۔ جس طرح ذات باری تعالیٰ بالذات جمیل ہے اسی طرح اس کے اسماء صفات جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں جمیل ہیں اور یہ جمال الٰہی لامتناہی ہے بعینہ حضور اکرم ﷺ جو محبوب رب جمیل ہیں اور ذات حق سے مخلوق ہیں اور اسماء وصفات سے متخلق و متصف ہیں وہ بھی جمال الٰہی کا مظہر اتم ہیں۔ فرق یہ ہے کہ جمال باری ذاتی ہے اور جمال محمدی ﷺ عطاء ذات باری تعالیٰ ہے اور جمال الٰہی لامتناہی ہے جبکہ جمال محبوب متناہی ہے رب خالق ہے اور آپ ﷺ اس کی مخلوق ذاتی اور اس کے محبوب بندے ہیں اور ذات باری تعالیٰ شِبَہٗ و مثل سے پاک ہے اور ہمارے حضور ﷺ اس حال پر اپنی مثل نہیں رکھتے مخلوق میں بدرجہ نہ کوئی آپ ﷺ جیسا ہے اور نہ کوئی آپ ﷺ کی مثل ہے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

لم یات نظیرک فی نظرٍ   مثل تو نہ شد پیدا جاناں

آپ ﷺ کا ہر نام حسن تمام ہے۔ جمال کل ہے اور آپ ﷺ صفات و افعال کے حسن و جمال کا مخزن ہیں۔ جب صفاتی ناموں کا حسن و جمال عظیم ہے تو اسماء ذاتی محمد ﷺ اور احمد ﷺ کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا۔ آپ ﷺ کی ہستی وہ عظیم ہستی ہے جس کا ہر پہلو کمال حسن و جمال ہے میں کہتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا 'کل خلائق من نوری و خلقت من نور الله' تو حسن و جمال بھی مخلوق ہے اور اس کی تخلیق کا باعث حضور ﷺ ہیں جو اللہ کے نور سے خلق ہوئے۔ نورانیت حسن و جمال کا دوسرا نام ہے یا نورانیت مظہر حسن و جمال ہے تو اگر یہاں ترجمہ یوں کریں کہ میں حسن و جمال الٰہی سے بالذات مخلوق اور میرے حسن و جمال سے ساری کائنات خلق ہوئی تو یہ امر حقیقت ہے ہرگز بعید نہیں حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

جہاں روشن است از جمال محمد   ارم تازہ گشت از وصال محمد

ﷺ

دنیا کا حسن و جمال ہو یا آخرت کا سبھی ہمارے کریم آقا ﷺ کے حسن و جمال کی خیرات

عرش الٰہی کے پایہ پر آپ ﷺ کا نام گرامی مکتوب ہے جو قلب عرش کا سکون ہے عرش وہ مکان
ہے۔ جس کی عظمت جمال کے لیے اسی قدر کہنا کافی ہے کہ ’’اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی‘‘ (آیت: ۵،
طٰہٰ) رحمٰن نے عرش پر استوائی فرمایا اور ’’اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ‘‘ رب رحمٰن کی صفت ہے عرش
’’مستوئی علی العرش‘‘ کے حسن و جمال کا ایک عظیم مظہر ہے مگر بایں ہمہ عرش نے شب اسریٰ
تسلیم کیا کہ میرا اقرار آپ ﷺ کے اسم گرامی کی برکت ہے تو جمال عرش بھی جمال محبوب کے جلوہ
حسن کا ایک مقام ہے سیدی اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے۔

وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے

وہ نبی ہے جسکے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جسکا مکاں نہیں

عرش کے مقابل جنت ہے کل جنتیں آٹھ ہیں اور ہر جنت میں سو سو درجے ہیں جیسا کہ
حدیث صحیح میں ہے لیکن یہ جنات کتنی حسین کتنی جمیل اس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی دل پر اس کا
خطرہ گزرا۔ جنت فی نفسہٖ حسین و جمیل ہے اور اس کی آرائش جمال کا ایک اہتمام یہ بھی ہے کہ فرشتے
سارا سال جنت کو سجاتے ہیں جب ماہ کریم رمضان المبارک آتا ہے تو ابواب جنت کھول دئے جاتے
ہیں کہ ہے کوئی جو اس میں داخل ہو جائے روزہ داروں کے لیے بڑی دعوت و پیشکش ہے اس جنت کی
حوریں اس قدر حسین و جمیل ہیں کہ رب ذوالجلال فرماتا ہے فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ (پ ۲۷:
الرحمٰن: ۷۰) جنتوں میں خوبصورت بیبیاں ہیں یعنی حوروں کے حسن و جمال کا ذکر خود رب ذوالجلال
نے فرمایا ہے۔ مکینوں کا حسن مکان کا جمال ہی اس کی بڑی بات ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر
جنتی حور کے دوپٹے کا دو انگل حصہ (لپہ وغیرہ) اگر دنیا میں ظاہر ہو جائے تو سارا جہاں خوشبو سے معطر اور
ان کے نور سے روشن ہو جائے لیکن یہ جنت کس کے نور کا ظہور ہے۔ لاریب جمال محبوب ﷺ کی
خیرات ہے اور جنت کا کوئی مکین یعنی حور و غلمان ایسا نہیں جس کی پیشانی پر اسمِ محمد ﷺ نہ لکھا ہو جنت
کا کوئی محل اور محلات کی ہر اینٹ کی پیشانی پر، درختوں کے پتوں، ڈالیوں اور جنت کے ہر جملہ ظروف و
برتنوں پر ہمارے آقا کریم ﷺ ہی کا نام منقوش ہے۔ یہ جنات عالم غیب میں ہیں اور اس دنیا میں

کسی کو ان کے حسن و جمال تک رسائی نہیں کیونکہ جنتوں کا حسن و جمال آخرت میں ظاہر ہوگا اگرچہ
کتاب الٰہی میں حسن و جمال کے تذکرے ہیں تو وہ اہل ایمان کو ترغیب ہے، اہل تقویٰ کو خوش خبری ہے
اور حسن اعمال کے موافق جزاء کی نوید ہے تو جس طرح عرش و جنات کے حسن و جمال سے ہم مجوب ہیں
اور ہمارے ادراک و فکر کو ان تک رسائی نہیں اس طرح جمال محبوب رب عرش و جنات سے ہم مجوب
ہیں اگرچہ کتاب و احادیث و اخبار میں ان کے حسن و جمال کا ذکر موجود ہے۔ حقیقت جمال محبوب
ﷺ تک ہماری رسائی کہاں لیکن حبیب رب العالمین ﷺ کی محبت و وابستگی اور نسبت و شفتگی اور
لذت شوق دیدار و بقائے محبوب کی تڑپ کا تقاضا ہے کہ جو کچھ احادیث و اخبار سے ہم تک پہنچا ہے
اگرچہ وہ بہت ہی محدود اور قلیل ہے اس کے ذریعہ حصول القاء محبوب ﷺ کے سفر کا آغاز تو ہو، رہی
منزل تو ان کے کرم سے امید ہے کہ ضرور مل ہی جائے گی کہ وہ بارگاہ عالی جناب ﷺ ہے جہاں
’’نہیں‘‘ کا لفظ نہیں ہے اور ان کے جود و کرم کا منگتا کبھی نہ مایوس ہوتا ہے نہ خالی لوٹتا ہے سیدی اعلیٰ
حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہہ بطحا تیرا — نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

حضور اکرم ﷺ کا اسم گرامی لوح و قلم، عرش و کرسی اور جنات میں ہر شے پر مکتوب و منقش
ہے جس کا واضح مفہوم ہے کہ یہ سب حضور ﷺ کی ہی ملک ہیں۔ مالک الملک نے ان مخلوق اشیاء پر
آپ ﷺ کا نام مکتوب و منقش فرمایا ہے جو محبوب کی کمال و بے مثل محبت کا مظہر ہے اور یہ سب کچھ
آپ ﷺ کی ملک کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ’’اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ‘‘ (پ ۳۰،
الکوثر: آیت ۱) ہم نے آپ کو ہر بھلائی بکثرت (کوثر کثیر سے بروزن فوعل مبالغہ ہے لہٰذا کثرت کا
تعین نہیں ہو سکتا) یعنی کُل کائنات میں جو بھی خیر ہے، بھلائی ہے، عزت و رفعت ہے، شان و شوکت
ہے، مقام و مرتبہ ہے آپ ﷺ کو بکثرت دیا گیا ہے اور اعطینا ماضی مطلق کا صیغہ ہے جس کا
مطلب ہے عطا کر دیا گیا سیدی اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

جس کی دو بوند میں کوثر و سلسبیل — ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی

تمام اشیاء پر اسمِ مبارک کی تحریر ان کی حاکمیت کی مظہر ہے سیدی حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے

تو ہی مُلک خدا مِلک خدا کا مالک — راج تیرا ہے زمانے میں حکومت تیری

اور اسی حوالے سے سیدی اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

مخدوم علامہ خرپوتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام قرب پر فائز ہوئے تو رب ذوالجلال نے فرمایا اے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''انا و انت کل ما خلقت اعطیتك'' میں ہوں اور حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہے جو کچھ میں نے خلق فرمایا وہ سب میں نے تجھے عطا کر دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا ''یا ربی انت وانا کل ما اعطیتنی ترکت لك'' اے میرے پروردگار آپ ہیں اور میں ہوں جو تو نے مجھے عطا فرمایا میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا ارشاد ہوا محبوب وہ کیوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا مجھے صرف اور صرف آپ ہی مطلوب ہیں وہ سب کچھ نہیں جو تو نے خلق فرمایا یعنی **لا مطلوب الا اللہ** تو اللہ کریم کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب بہت پسند آیا تو ارشاد فرمایا اچھا تو یہ ہے تو اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی تیرا میری سبھی مخلوق بھی تیری۔

احادیث اس شان و عظمت ملکیت پر ناطق ہیں۔ رومہ کے کنواں کی خریداری کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کون ہے جو رومہ کا کنواں مسلمانوں کے لیے خریدے میں اسے جنت کی نوید دیتا ہوں۔ حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد میں کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور یہودیوں (غیر مسلموں) کو بھی پانی کے حصول کی بلا معاوضہ اجازت دے دی۔ طبرانی شریف میں یہ الفاظ ہیں ''اشتری عثمان الجنته من رسول اللہ'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت خرید لی۔ جنت کا بدست حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیچنا ''ملکیتِ مصطفیٰ'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن دلیل ہے اور کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مَن یَّضْمَنُ لِیْ مَا بَیْنَ لَحْیَیْهِ مَا

بَیْنَ رِجْلَیْهِ اَضْمَنُ لَهُ الجنته'' جو مجھے دو چیزوں کی ایک وہ جو دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان اور دوسری وہ جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اہل علم پر مخفی نہیں، ضمانت دینے والا مالک ہوتا ہے یا مختار جو بھی سمجھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملک ثابت ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرانے کی سعادت پائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے خوش ہو کر فرمایا 'سل ربیعه' ربیعہ مانگ تو انہوں نے عرض کیا ''اَسْئَلُكَ مَرَافَقَتُكَ فِی الْجَنَّةِ میں جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت مانگتا ہوں۔ علماء نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ''سَلْ'' مطلق ہے اور کوئی قید نہیں رکھتا یعنی جو چاہے مانگ لے خواہ برکات دنیا ہوں یا نعماء آخرت اور ''سَلْ'' وہی کہہ سکتا ہے جو مالک و متصرف ہو اور عطا پر بالکلیہ قادر ہو اور اسے کوئی اندیشہ نہ ہو اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جنت میں رفاقت مانگی جو آخرت کا عظیم درجہ و انعام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا تو واضح ہو گیا کہ دنیا و آخرت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملک ہے کیا خوب کہا ہے مجدد دین و ملت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ؎

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا — دریا بہا دیے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اس دنیا میں ظہورِ قدسی لبادۂ بشریت میں ہوا ہے رہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت تو کسی کو اس کی معرفت نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''لم یعرفنی حقیقتی ماسواء ربی'' میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بشریت میں ظہور حقیقت کے منافی نہیں کہ اس میں حکمت ربانی ہے کہ عالم بشریت کی راہ نمائی اس کے بغیر نہ ہو سکتی تھی اور ظاہری مناسبت اس کا مقتضی تھا تا کہ اسوۂ حسنہ کی پیروی ہو سکے۔ اس عالم میں جو اشیاء نظر آتی ہیں اور ہم حسی طور پر محسوس کرتے ہیں یا آنکھ سے جو دیکھتے ہیں ضروری نہیں کہ اس کی حقیقت بھی وہی ہو اور تبدیلی صورت یا ہیئت کے تغیر سے حقیقت نہیں بدلتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ''اللھم ربنا ارنا الحقائق الاشیاء کما ھی'' اے اللہ ہمارے پروردگار ہمیں حقائق اشیاء

دکھا دے جیسی کہ وہ ہیں۔ ''اللھم ارنا الحق حقاً'' اے اللہ ہمیں حق کو حق دکھا'' وارزقنا اتباعه'' اور ہمیں اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما، اللھم ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه اے اللہ ہمیں باطل (جھوٹ) کو باطل دکھا اور ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ قرآن حکم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (پ۱۶ مریم) حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے ایک توانا بشر (آدمی) کی صورت میں ظاہر ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام نے انہیں بشر ہی دیکھا اور سمجھا اور ان کے تقدس وتقویٰ کے باوصف ذات باری سے پناہ طلب کی ظاہر ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لیے اجنبی تھے اور تخلیہ میں ان کا صورت بشری میں اچانک ظاہر ہونے پر حضرت مریم علیہا السلام کی تشویش فطری تھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سے کہا'' اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا'' (پ۱۶، سورۃ مریم: آیت ۱۹) میں تو صرف تمہارے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔ اس لیے کہ تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں یہ واقعہ ہماری اوپر مذکورہ بات پر خوب منطبق ہوتا ہے کہ یہ بات تو مسلمہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام معزز فرشتے ہیں اور نوری مخلوق ہیں وہ صورت بشری میں جلوہ گر ہوئے جبکہ حقیقت تو ہرگز ایسی نہ تھی اور حضرت مریم علیہا السلام نے انہیں بشر ہی دیکھا اور سمجھا یہ بھی ظاہری رویت تھی حقیقتاً ایسا نہ تھا پھر انہوں نے کہا کہ وہ تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں اور عطاء فرزند کے لیے آئے ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے ان کی بات خوب سمجھ کے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں، تو تبدیلی صورت سے اس اظہار سے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور عطاء فرزند کے لیے آئے ہیں۔ لفظ غلام اور ولد میں واضح فرق ہے گو ہم معنی ہیں لفظ ولد تولید سے ہے اور لفظ غلام عطا پر مشیر ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے یہی پوچھا کہ کیا ایسا نکاح سے ہوگا یا قدرت باری سے یعنی تفصیلی باہمی بات چیت سے جو بشریت کا مقتضٰی ہے اور اس بیان سے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں ان کی حقیقت ہرگز نہیں بدلی تو بعینہ اگر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والا فرمائیں میں تم سا بشر ہوں میں اللہ کا رسول ہوں اور دعوت ارشاد فرمائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کیوں کر بدل گئی۔ لاریب ہے جو ظاہر نظر آ رہا ہے اگرچہ وہ بھی حق ہے لیکن حقیقت نہیں اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں پردہ

بشریت میں مستور ہے ''یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ'' (آیت: ۱، المدثر ۷۴) کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے ''ای سَاتِرِ حَقِیْقَتِه المحمدیة'' اے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھپانے والے محبوب (روح المعانی)۔ کفار کے اعتراضات پر قرآن حکیم میں ہے کہ جتنے رسول آئے سبھی بشر تھے چلتے پھرتے کھاتے پیتے تھے اور اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو'' لجعلنا ملکا رسولا'' تو ہم بھی ضرور فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے یعنی بشریت کا تقاضا تھا کہ مشابہت ہو، قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا'' وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی'' (آیت: ۱۷، طٰہٰ) تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے عرض کیا'' هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی (آیت: ۱۸، طٰہٰ) یہ لاٹھی جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اپنے بکریوں کے ریوڑ کو ہانکتا ہوں اور میرے لیے اس میں بہت سے کام ہیں اللہ کریم نے فرمایا اَنْ اَلْقِ عصاك اپنی لاٹھی پھینکو انہوں نے پھینکی فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی (پ۱۶ طٰہٰ: آیت ۲۰) وہ دوڑتا ہوا (یا لہراتا ہوا) اژدھا بن گیا پھر فرمایا اسے پکڑو اور خوف نہ کرو سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی (پ۱۶ طٰہٰ: آیت ۲۱) ہم اسے جلد ہی اس کی پہلی صورت پر لے آئیں گے۔ یہ واقعہ بھی ہماری بات کو مؤکد کرتا ہے حقیقت میں لاٹھی تھی، پھینکی تو اژدھا بن گیا اور دوڑنے لگی حالانکہ لاٹھی دوڑتی نہیں بلکہ جب جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو یہ اژدھا جادوگروں کے سحر کے نتیجہ میں ہونے والے سب سانپوں کو ہڑپ کر گیا حالانکہ لاٹھی کھاتی نہیں پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اسے پکڑو اور خوف نہ کرو ظاہر ہے سانپ دشمن ہے اور اس کے حملہ کا خطرہ وخوف طبعی ہے پھر آپ علیہ السلام نے جب اس اژدھا کے منہ میں ہاتھ ڈالا تو وہ پھر لاٹھی ہوگئی تو ان سب صورتوں کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلی بلکہ ظاہر دیکھنے والوں نے اسے اژدھا ہی سمجھا یا جانا بالکل بشریت میں ظہور حقیقت کے منافی نہیں اور بشری تقاضے اس ظہور کے ساتھ لازم وملزوم ہیں کسی نے کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

محمد سِرِّ وحدت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

یوں رب ذوالجلال نے جو شئے بھی بنائی خوب بنائی جیسا کہ ارشاد عالی ہے کہ الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ (السجدہ، آیت ۷) اور ہر شے میں حسن و جمال رکھا ہے لیکن عالم بشریت و انسانیت میں بھی حسن و جمال کی ایک خاص شان ہے۔ انسان کی تخلیق احسن تقویم ہے اور اس کی صورت مخلوق کی تمام صورتوں میں احسن بنائی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے "فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ۔" حدیث شریف میں ہے جب اللہ نے حسن کو پیدا فرمایا تو اس کے ۱۰۰ سو حصے کیے ننانوے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے اور ایک حصہ باقی ساری مخلوق کو عطا فرمایا یہ تقسیم حسن مخلوق کے اعتبار سے ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات حق سے مخلوق ہیں اور دوسری تمام مخلوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہرگز نہیں کہاں مخلوق ذاتی اور کہاں مخلوق مادی وتکوینی۔ اس ظاہر دنیا میں بھی تمام مخلوق کا مجموعی حسن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفتاب حسن و جمال کی ایک کرن ہے۔ اس مخلوق میں اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ساری دنیا کا دوتہائی اور ایک روایت میں ہے آدھا حسن عطا کیا ہے اور تفسیر مظہری میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی پردادی اماں یعنی والدہ اسحٰق علیہ السلام سیدہ سارہ سلام اللہ علیہا کو دنیا کا 1/6 حصہ حسن عطا کیا گیا ہے اور جمال یوسفی کی اس عالم ظاہر میں جو جلوہ نمائی تھی اس نے حسینان مصر کو مبہوت کر دیا انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بولیں قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ ھٰذَاۤ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیۡمٌ (پ ۱۲؛ سورہ یوسف؛ آیت ۳۱)، حاشاللہ یہ تو کوئی بشر نہیں (یعنی بشریت میں ایسا حسن و جمال کہاں) یہ تو ضرور کوئی معزز فرشتہ ہے۔ یہ حسن و جمال اور رعنائی کسی معزز فرشتے میں ہی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے جلوہ جمال میں بے خود ہو کر بشریت یوسف کا انکار کر دیا اور اپنے تصور یا معلومات کے تحت کہا کہ ایسا جمیل تو ملکوتی حسن ہی ہو سکتا ہے۔ مجھے یہاں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جمال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناواقف اور بے خبر اس حسن و جمال کو جو جلوہ ذات وصفات باری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے بشر بشر کہہ کر اپنے مبلغ علم کا بھونڈا پرچار کرتے ہیں اگر ذات باری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کو حجابوں (پردوں) میں مستور نہ فرمایا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ فرمائی ہوتی تو اس کائنات میں کون ہے جو تماشائی ہوتا۔ اب جبکہ جمال محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردوں میں محجوب ہے پھر بھی ہر کوئی فدا ہے بلکہ جنہوں نے

جلوہ ظاہر کو نہیں پایا وہ بھی دیدار کو ترستے اور زیارت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ موجۂ تبسم کی ایک خیرات دونوں جہاں کی کامرانی و کامیابی ہے۔ حدیث شریف میں ہے جس نے مجھے دیکھا اس پر آتش دوزخ حرام ہے اور جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا اس پر دوزخ حرام ہے اور جس نے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا اس پر آتش دوزخ حرام ہے اور جس نے انہیں خواب میں دیکھا اس پر بھی آتش دوزخ حرام ہے۔ اللہ اکبر جنت جو مقام حسن جمال اور نعمت و عطاءِ الٰہیہ ہے ان کے موجۂ تبسم کی خیرات ہے۔ ارشاد عالی قدر ہے "من رانی فقد راء الحق" جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا یا حقیقت میں مجھے ہی دیکھا "فان الشیطن لا یتمثل بی" کہ بلاشبہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔ جس ذات پاک کی رویت حق ہو حالانکہ رویت باری تعالیٰ ممکن ہے اگرچہ اس دنیا میں اس کا وقوع نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رویت و دیدار نے اس ممکن کو بے حجاب دکھا دیا حالانکہ پچھلی امتوں میں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا "لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً (پ ۱ البقرہ؛ آیت ۵۵)" ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ذات باری کو برملا نہ دیکھ لیں لیکن اصحابِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہماری جانیں فدا ہوں جنہوں نے سرکار عالی جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو رویت باری تعالیٰ کی طلب ہی نہ رہی اور پورا ذخیرۂ حدیث اس پر شاھد ہے کہ کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ نے کبھی رویت باری تعالیٰ کی درخواست نہ کی جب مطلوب و مقصود کائنات یعنی رب کریم جلوہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نظر آ رہا ہو تو کسی کی نگاہ ان کے روئے تاباں سے کیوں کر ہٹے، پھرے یا بھکے اور لطف یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر یہ بات واضح کر دی جیسا کہ حدیث جبرائیل علیہ السلام کے جز احسان میں ہے "ان تعبدو اللہ کانك تراہ" تو خدا کی بندگی یوں کر گویا کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اس جلوہ حسن نے پروردگار جل وعلا کی عبادت کی وہ تعلیم دی، وہ رغبت دلائی کہ بندے اور خدا میں حجاب نہ رہا۔ جس ذات پاک نے اس جمال الٰہی تک رسائی کر دی جو جمیل لامتناہی ہے اس کے اپنے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا۔ عارف گولڑوی مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

دسے صورت راہ بے صورت دا — توبہ راہ کی عین حقیقت دا
ایتھے کم نہیں بے سوجھت دا — کوئی ورلیاں موتی لے تریاں

حدیث شریف میں ہے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا "کَیْفَ اَصْبَحْتَ یَا زید" اے زید تو نے صبح کس حال میں کی ہے عرض کیا "**یا رسول اللہ اصبحت مومناً**" میں نے حالت ایمان میں صبح کی ہے ارشاد فرمایا "**ما حقیقة ایمانك**" تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے، عرض کیا میرے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں اور جنت میرے دائیں اور دوزخ میرے بائیں ہے تو ارشاد فرمایا اس پر قائم رہنا۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ حضور ﷺ نے غلاموں کو مدارج ایمان اور کمال کے اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ غلام دیدار الٰہی کا اقرار کرتے ہیں تو جو ذات کریم اپنے غلاموں کو اس ذات جمیل تک جس کا حسن و جمال ذاتی اور لامتناہی ہے اور جسے کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور جو گمان و خیال و وہم و عقل سے ماوراء اور برتر ہے مشاہدۂ جمال منزل پر پہنچا دیتا ہے جس طرح سورج کو آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا کہ بینائی کے زائل ہونے کا خطرہ ہے لیکن جب کسی واسطہ سے دیکھیں تو بالکل ممکن ہے بلا تشبیہہ و تمثیل جمال محمدی ﷺ کے توسط سے ہی جمال الٰہی تک رسائی ہے اور ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رسائی محال ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے "**انا مرئة الحق**" میں ہی آئینہ حق ہوں اور آئینہ ہو بہو ہی دکھاتا ہے۔ وارثی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

جمال خدا گر نہیں تم نے دیکھا — محمد کو دیکھو وہی ہو بہو ہے

جمال یوسفی کے حوالے سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "**انا املح واخی یوسف اصبح**" میرے حسن میں ملاحت (نمکینی) ہے اور میرے بھائی یوسف علیہ السلام کا حسن صباحت ہے یعنی (سفیدی) یا شگفتہ رنگت ہے۔ صباحت و ملاحت کے درمیان ایسا فرق ہے جیسا چاند اور سورج کے درمیان یا سونے اور چاندی کے درمیان ہے۔ حسن یوسف پر فریفتہ حضرت کے والد سیدنا یعقوب علیہ السلام اور دوسرے انسان تھے لیکن حسن محمدی ﷺ سے محبت رکھنے والا سارے جہانوں کا رب ہے

تو خالق کائنات کے ساتھ ہمسری کیوں کر ہو سکتی ہے، بعض نے کہا کہ ملاحت نمکینی حسن ہے اور صباحت شگفتگی و سفیدی ہے اور کمال حسن نمکینی کا مقتضی ہے یعنی ملاحت ہی کامل و اکمل حسن ہے یا یوں کہہ لیجئے ملاحت چمکتا دمکتا روشن سورج ہے اور صباحت اس کی ایک کرن اور شعاع ہے تو حسن یوسف میرے کریم آقا ﷺ کے حسن کی ایک شعاع ہے۔ صباحت حسن کو دیکھ کر حسینان مصر نے انگلیاں کاٹ ڈالیں تو ملاحت حسن کی یہ شان ہے کہ ان کے نام و اشارے پر مردان عرب نے گردنیں کٹا دیں۔

حسن یوسف پر کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

اگر چہ آفتاب کے مقابلہ میں ماہتاب کی چمک و دمک کم ہے لیکن ماہتاب (چاند) میں جو ملاحت ہے وہ آفتاب میں نہیں اور ملاحت وہ وصف ہے جو دیکھنے میں انتہائی پر لطف، مسرور کن اور دل نشین ہے۔ یہ جو اوپر ملاحت کو سورج سے تشبیہ دی تو وہ حضور ﷺ کی شان صباحت کے حوالے سے وگرنہ بعض علماء نے فرمایا کہ صباحت صفت یوسف ہے اور ملاحت صفت حضور ﷺ ہے اور آپ ﷺ دونوں صفات میں اعظم و بے مثل اور منفرد ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

"**ما رأیتُ شیئاً احسن من رسول اللہ** ﷺ"

میں نے حضور اکرم سے بڑھ کر زیادہ حسین کسی شے (چیز) کو نہ دیکھا۔

لفظ "شئی" میں بڑی وسعت اور کمال مبالغہ ہے اگر اِنْسَانًا یا رَجُلًا کہتے تو بات انسانوں تک محدود رہتی، شئی کا لفظ بول کر وضاحت کر دی کہ کائنات میں ہر شے سے بڑھ کر آپ ﷺ ہی زیادہ حسین و جمیل تھے اور یہ مشاہدہ و بیان صحابیٔ رسول ﷺ کا ہے کہ جس کے مرتبہ عرفان کی گرد کو اغیاث و اقطاب بھی نہیں پہنچ سکتے اور یہ ایک انسان کا قول ہے جو واضح کر رہا ہے کہ ملکوتیوں کا حسن محبوب ﷺ کے سامنے ماند ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مزید مروی ہے "کَانَ الشَّمْسُ تَجْرِی فِیْ خَدَّیْهِ" آپ ﷺ حضور کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا اور نظر آتا تھا کہ سورج گویا حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخساروں میں تیر رہا ہے۔
اب جب گفتگو آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر جمال پر پہنچی ہے تو شمائل محاسن کا ذکر ضروری ہو جاتا ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں جو وجود و صورتِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر تھی اس کی کیا شان تھی۔ خدوخال کیسے تھے، قد و قامت کیسی تھی اور انداز محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا جلوہ نمائی تھی لہٰذا میں اسی دائرہ میں ہی رہ کر بات کروں گا اور ذکر محاسن و شمائل کو یہیں تک ہی ذکر کروں گا تاہم یہ بات پیش نظر ہے کہ یہ سب بیان جمالِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیراب ہونیوالوں کا ہے حقیقت تک تو کسی کی رسائی نہیں۔ لبادہ بشریت میں نمو کی یہ شان ہے تو حقیقتِ حسن و جمال کی عظمت کیا ہوگی۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوٰۃ میں لکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن سراپا ہم پر ظاہر نہیں فرمایا گیا اگر ظاہر کر دیا جاتا تو کس کو دیدار کی تاب و طاقت ہوتی تو کہنا پڑتا ہے۔

ہر چند وصفت می کنم　　　در حسن زاں بالا تری

زیبائی قد و قامت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ وجاہت والے اور خوبصورت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد تھے البتہ قدرے مائل بہ درازی تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو دراز قامت تھے اور نہ ہی پست قد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد درمیانہ تھا جب تنہا چلتے تو دراز قامت نظر آتے۔ ایک روایت میں پستہ قد والوں میں دراز قامت نظر آتے اور دراز قد والوں میں میانہ قد نظر آتے موزونیت تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبی تھی ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے میانہ پن اور اعتدال (توازن) میں بھلائی مقدر کی گئی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچانک دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو حاضر خدمت ہو جاتا گرویدہ ہو جاتا۔ قامت زیبا لطیف، درست اور چست تھی۔ ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''لم یکن الغدیل الممغط'' بہت زیادہ دراز قد نہ تھے یعنی قامت درازی معتدل تھی: ایک روایت میں ہے ''کان ربعتہ من

القوم'' قوم میں متوسط قامت والے تھے اور توسط و اعتدال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ جب کسی قوم میں جلوہ گر ہوتے تو انہیں چھپا لیتے یعنی ان میں نمایاں دراز قد نظر آتے۔ حدیث شریف میں ہے ''لم یکون الغدیل البائن بحق مقرط'' طول میں سب سے الگ اور دراز قد نہ تھے اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب تنہا ہوتے تو متوسط قد نظر آتے اور جب لوگوں کے درمیان ہوتے تو سب سے بلند و بالا نظر آتے۔

جسد و جسم مُبارَک

جمہور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے ہی خوبصورت جسم والے تھے۔ صاحب مواہب لدنیہ اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رب ذوالجلال نے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کو اس انداز سے بنایا ہے کہ کسی انسان کی تخلیق جسمانی اس طرح ہرگز نہ ہوئی نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے اور نہ ہی ولادت شریفہ کے بعد، آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ اطہر نہ دبلا تھا نہ بھاری بھر کم انتہائی متوازن اور موزوں تھا اور بیان کیا گیا کہ ظاہری عمر کے آخری حصہ میں جسمِ اطہر قدرے بھاری ہو گیا تھا لیکن حد توازن پر ہی رہا اور طبعاً تمام عمر نے جسم کی کیفیت شباب کے انداز پر ہی موزوں اور متناسب رہی۔ ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بدن کا جو حصہ کپڑوں سے باہر رہتا انتہائی روشن و چمکدار تھا اور جو مستور تھا اس کی نورانیت روشنی و چمک کہیں بڑھ کر تھی گویا چاند کی طرح منور و تاباں تھا۔ چاند سے تشبیہ صرف بیان کے اظہار کے لیے ہے ورنہ چاند کی جمال محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا حیثیت ہے جو ایک اشارے کی تاب نہیں رکھتا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورج اور ہوا جسمِ اطہر کے رنگ کو متغیر نہیں کر سکتی۔ نبی علیہ السلام کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام ''نور'' ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے ''خلقت من نور اللہ'' میں اللہ کے نور سے خلق ہوا۔ نور کا سایہ نہیں ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور، نورِ الٰہیہ کا مظہر ہے اور تمام انوار کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نور سے ظہور ہوا ہے لہٰذا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح نہیں بلکہ اصل وجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور باقی سب موجودات فرع ہیں حقیقت انوارِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ہی ظہور ہے۔ چراغ کی روشنی ہو یا چاند اور سورج کی آپ ﷺ کا سایہ نہ پڑتا اور یہ آپ ﷺ کی شانِ لطافت اسمِ الٰہیہ "اللطیف" کی مظہرِ اتم ہے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ای ودقیقہ دانِ عالم   خود بے سایہ و سائبانِ عالم

لطافت کی ایک شان یہ بھی تھی کہ جسمِ اطہر پر کبھی مکھی نہ بیٹھی بلکہ ملبوسات پر نہ بیٹھتی۔ مکھی کثافت ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کثافتوں سے پاک لطافتوں کے پیکر ہیں اور آپ حضور ﷺ تو امام الانبیاء ہیں۔ جسمانی لطافت کی ایک شان یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ جن راہوں سے گزرتے وہ راہیں، جگہیں، ماحول سب مہک جاتا۔ حضرت اسحق بن راہویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حضور ﷺ کے جسم مبارک سے ایسی خوشبو آتی تھی جو دوسری تمام خوشبوؤں سے مختلف ہوتی تھی یعنی خاص مخصوص خوشبو ہوتی اور تمام خوشبوؤں سے بڑھ کر ہوتی۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب کہیں تشریف لے جاتے تو جسم پاک کی خوشبو راستہ میں پھیل جاتی اور ہم جان لیتے کہ آپ حضور ﷺ یہاں سے گزرے ہیں اور ہم حضور ﷺ کی مہک پر آپ ﷺ تک پہنچ جاتے اور ایک روایت میں ہے یہ خوشبو مشک اور اذخر سے بڑھ کر ہوتی۔ ابن ماجہ میں مروی ہے کہ آپ حضور ﷺ جب عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں جلوہ گر ہوتے تو آپ ﷺ کی خوشبو سے ساری مسجد مہک جاتی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو کوئی حاضری کا خواہشمند آپ ﷺ کو دولت سرا میں نہ پاتا تو وہ راہوں میں اس خوشبو کو سونگھ کر جو گزرگاہوں کو مہکا رہی ہوتی تھی آپ ﷺ تک پہنچ جاتے سیدی احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

حضرت عطار رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

بطیب رسول اللہ لطاب نسیما
فما المسك و الكافور المندل الرطب

آپ حضور ﷺ کی خوشبو سے مدینہ منورہ کی فضائیں مہک رہی ہیں کستوری اور کافور کی کیا حیثیت ہے ان سے بڑھ کر خوشبو مدینہ کی کھجوروں میں ہے اور یہ ذوق و محبت کا حقیقی اظہار ہے۔

رنگتِ مبارکہ

ابو طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی مدحت میں کہا ہے

ابیض یستسقی الغمام بوجهه   ثمال الیتامیٰ عصمته للا رامل

روئے تاباں کی سفیدی ایسی ہے کہ بادل اس سے سیرابی حاصل کرتے ہیں پیاسوں کو سیراب کر دینے والا ہے۔ آپ ﷺ یتیموں کے پرورش کرنے والے اور بیواؤں کی ناموس کے محافظ ہیں۔

آپ ﷺ کا رنگ سفید تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ جسمِ اطہر چاندی سے ڈھلا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رنگت مبارکہ کھلی ہوئی تھی نہ تو گندم گو تھے اور نہ ہی سیاہی مائل، ملاحت والے اور پرکشش تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ازهر اللون" یعنی سرخ و سفید تھا اور چمکدار یا روشن و تاباں تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے "ابیض مشرب بحمرہ" آپ حضور ﷺ سرخ و سفید تھے۔ ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ اور کثیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ رنگت سفید یا مائل بہ سفیدی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی رنگت بہت سفید تھی ایک اور روایت میں ہے "ابیض مشرف" سفیدی مائل بہ سرخی یا سرخی مائل بہ سفیدی اور چمک والی رنگت بھی کہا گیا ہے۔ حق یہ ہے کہ پروانوں کا اظہار مشاہدہ ہے وگرنہ آپ ﷺ کی رنگت اپنے جمال کے اعتبار سے بے مثل ہے اور اس کا حقیقی بیان ممکن نہیں۔

سرِ مبارک

حضور اکرم ﷺ کے اعضاء و جوارح کے بارے میں متفقہ امر یہ ہے کہ اعتدال کی رعایت پیشِ نظر رہے اور اعتدال کا حسن آپ ﷺ کی خوبی و خصوصیت ہے۔ سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا

تھا۔ خصائص میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اور مواھب میں امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کہا ہے۔ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ جو آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ربیب تھے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر ابو ہالہ کے بیٹے تھے) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ پلے اور بڑھے تھے وہ شمائل کے ذکر میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں امتیازی شان رکھتے ہیں اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو "وَصَّافُ النَّبِي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حسنین کریمین الطاہرین رضی اللہ عنہما بھی ہیں جو ان کے بھانجے بھی تھے ان سے مروی ہے "عظیم الهامته" سر مبارک عظیم و معظم تھا اور عظیم الراس کہتے ہیں (کمی وکوتاہی کی نفی اور اعتدال کا اظہار ہے)۔

سرمُبارَک کے بال

ایک روات میں ہے کہ موئے مبارکہ "قطط" یعنی گھونگریالے تھے اور ایک روایت میں "قطط" اور "جعد" آیا ہے یعنی نرم، لمبے اور گھونگریالے تھے۔ حدیث قتادہ رضی اللہ عنہ میں ہے "رجل" یعنی نرم اور دراز تھے اور خوب سیاہ چمکدار خوبصورت تھے۔ سر مبارک کے بالوں کی درازی کانوں کی لَو تک تھی اور ترشوانے سے پہلے مابعد کمی بیشی ہوتی رہتی لیکن حج و عمرہ کے مواقع پر حلق فرماتے تھے یعنی منڈواتے تھے اور حلق کو قصر پر تقدیم وفضیلت ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ (پ ۲۶ الفتح: آیت ۲۷) اور سورۃ البقر میں ارشاد ہے "وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ (پ ۲ البقرہ: آیت ۱۹۶) یہاں حلق ہی حکم ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب منیٰ میں حضرت عمر بن عبداللہ قرشی رضی اللہ عنہ جو حجام تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک کے حلق سے فارغ ہوئے تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مبارک بالوں کو حاضرین میں تقسیم فرما دیا۔
آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر مبارکہ میں تیل لگانے اور کثرت سے کنگھی فرماتے۔ بالوں کی بے جا طوالت اور پراگندہ حالت کو ناپسند فرماتے تھے۔ سر کے بالوں کو چھوڑنا سنت ہے اور بالوں میں چارلٹیں بنا لیتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداً بالوں کو سَدَلْ فرماتے (بالوں کو اطراف پر چھوڑ دینا) پھر فَرَقْ کرنے لگے اور آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا ہی حکم ہوا یعنی درمیان سر مانگ نکالتے تھے اور فرق کرنا صدل کرنے سے افضل ہے۔ سر اقدس اور ریش مبارکہ میں چند بال سفید تھے ان کی تعداد اٹھارہ تک گنی گئی ہے اور یہ ظاہر دور کے آخری زمانہ میں تھا کبھی بالوں کی چارلٹیں فرماتے اور دو کو کانوں پر ڈال لیتے اور کبھی اس کے بغیر بھی ایسا فرماتے جیسا کہ مواھب میں ہے۔ عمامہ باندھتے تھے اور حدیث میں ہے عمامہ مشرکوں اور مومنوں کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ مزید ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ یہ فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے یعنی ہم ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں جبکہ مشرک ٹوپی کے بغیر باندھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹوپی بھی پہنتے تھے اور یہ عمامہ کے نیچے ہوتی تھی جو بلند نہ ہوتی بلکہ سر سے ملی ہوئی ہوتی یہ ٹوپی سفید تھی۔ عمامہ شریف معمولات سات گز سے کم نہ ہوتا اور چودہ گز سے زیادہ نہ ہوتا شرعی گز دو بالشت کے برابر ہے۔ عمامہ باندھتے وقت عمامہ کے ایک سرے (طرف) کو دونوں مونڈھوں کے درمیان (لٹکاتے) فرماتے اسے شملہ بھی کہتے ہیں سنت یہی ہے، یہ عمامہ سر پر متوازن ہوتا بالعموم عمامہ سفید ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفیدی پسند تھی بعض مواقع پر جیسے فتح مکہ عمامہ شریف سیاہ تھا عمامہ باندھنے میں گولائی اور پیچ کیساتھ دونوں مروی ہیں۔ ایک عمامہ کا نام "سحاب" مروی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب کہا ہے۔

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

چہرہ مُبارِکہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن و تاباں اور خوب سفید تھا۔ ھند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "یتلا لاء وجهه تلالوا القمر ليلة البدر" روئے انور چودھویں شب کے چاند کی مانند روشن تھا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "كالقمر ليلة البدر لم ارقبله ولا بعده مثله" چہرہ انور ماہِ کامل کی طرح تھا جس کی مانند نہ پہلے دیکھا گیا نہ بعد میں۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاندنی راتوں میں زیارت کی اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سرخ حلہ پہنے ہوئے تھے میں کبھی چہرہ انور کو دیکھتا اور کبھی چاند کی چاندنی، کو بخدا مجھے آپ ﷺ چاند سے زیادہ حسین نظر آئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپ سرکار ﷺ سے بڑھ کر بہتر حسین کسی شے کو نہ دیکھا۔ صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''**اذا اسراستنار وجه كانه قطعته من القمر**'' جب مسرور ہوتے (ماتھے پر شکن پڑتی) تو چہرہ انور چاند کے ٹکڑے کی طرح چمکتا۔

چہرہ انور گولائی کی طرف مائل تھا پوچھا گیا کیا آپ سرکار ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح دمکتا تھا تو براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں بلکہ آپ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح روشن و حسین تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چہرہ انور چاند کے دائرہ قمر کی طرح تھا لیکن یہ واضح رہے کہ چہرہ انور نہ تو مکلثم تھا اور نہ ہی مطہم یعنی کسی حد تک مستدیر تھا۔ مکلثم دائرہ کی طرح گول چہرے کو کہتے ہیں اور مطہم گوشت سے بھرے چہرے کو کہتے ہیں۔ چہرہ انور کو ماہِ کامل، پارہ قمر اور دائرہ قمر سے تشبیہہ مذکور ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جمالِ پاک ﷺ سے سیراب ہونیوالوں کا اظہار محبت اور مشاہدہ یہی ہے جبکہ اس کائنات میں نہ کوئی شے آپ ﷺ کی مثل ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے مشابہ یہ تشبیہات عظمت جمال کی طرف راہ نما اور اس کے مظاہر کی طرف مشیر ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ محسوسات و مدرکات مرکبات کی دنیا میں چاند سب سے زیادہ حسین وجمیل ہے اگرچہ آفتاب کی چمک دمک بہت زیادہ ہے لیکن ماہتاب میں جو فرحت، سرور، لطف، برودت اور کیف ہے وہ آفتاب میں کہاں تو چاند سے کلی و جزوی تشبیہات جمال جہاں آرا کی طرف گویا نظاراتی تفہیم اور تسکین ذوق ومحبت کا بیان ہے وگرنہ کہاں جمالِ روئے محبوب ﷺ اور کہاں جمال ماہتاب کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہہ دوں ان کے چہرے کو
میں ان کے ہر نقش پا پہ چاند کو قربان کرتا ہوں
آسمان جو کبھی ان کے تلووں کا نظارہ کرتا
ہر روز تصدق میں ایک چاند اتارا کرتا

مزید یہ ہے کہ حدیث میں ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''**کان الشمس تجری فی وجهه**'' کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ روئے مبارکہ میں آفتاب و ماہتاب ضوفشاں ہیں یا تیر رہے ہیں اور حدیث میں ہے کہ آپ حضور ﷺ جب دولت سرا سے باہر تشریف لاتے تو یوں محسوس ہوتا تھا گویا کہ سورج طلوع ہو گیا ہے۔

دن کو اسی سے روشنی شب کو اسی سے چاندنی
سچ تو یہ ہے کہ روئے یار شمس بھی ہے قمر بھی ہے

تیسری بات یہ ہے دائرہ قمر سے گولائی کی تشبیہ ان انوار و جمال حسن کا ظرف و مظہر ہے جو روئے پاک کا حالہ و احاطہ کیے ہوئے تھے جس سے چہرہ انور کی ضیا و روشنی چمک دمک اور نورانیت کے کمال کا اظہار و بیان بھی ہے۔ **صلی اللہ علیٰ قدر حسن و جماله** یہ چہرہ مبارکہ انوار صدق و صفا کا مظہر تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جب پہلی بار شرفِ زیارت پایا تو بے ساختہ پکار اٹھے **لیس بوجهه کذاب** ایسا چہرہ کسی جھوٹے کا ہو ہی نہیں سکتا چہرہ انور کی صفائی ہی صداقت و رسالت کی گواہی ہے۔

جبین انور

آپ ﷺ کی پیشانی کشادہ تھی روشن تھی اور پر نور تھی حسان رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے

''الصبح بداء من طلعته''

صبح کا سویرا آپ ﷺ کی پیشانی کی زیارت کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے ''**واضح الجبین**'' پیشانی کشادہ تھی اور واضح کے ایک معنی روشن کے بھی ہیں کہ پیشانی مبارکہ روشن اور ضوفشاں تھی۔ احادیث مبارکہ میں ''**واسع الجبين**'' ''**صلت الجبين**'' اور ''**واسع الجبهة**'' بھی آیا ہے سب کے معنی فراخ پیشانی کے ہیں۔ جب ماتھے پر کبھی شکنیں پڑتیں تو چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتیں یا چاند کی طرح ضوفشاں ہوتیں۔ سجود کی کثرت کا اثر

پیشانی پر نمایاں تھا۔

یہاں بھی داغ سجدہ طیبہ ہے تمغہ نور کا
اے قمر کیا تیرے ہی ماتھے ہے ٹکا نور کا

ارشاد باری تعالیٰ ہے **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود** مطلع فجر میں نکتہ ابر سیاہ گویاں بروز حشر آپ ﷺ قَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ ہوں گے یعنی روشن اور کشادہ پیشانیوں والوں کے قائد، سردار ہوں گے۔ جبین اطہر پر نورانیت خوب ضوفشاں تھی چمکدار تھی۔

ابرو مُبارکہ (حَوَاجِبُ)

حدیث حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ہے "مقرون الحاجبین" ابرو باہم ملے ہوئے تھے ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ازج الی حبین" ابرو باریک تھے یا گھنے بال تھے یا لمبے تھے گویا لمبی کمان تھے سرکار گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے بع

دو ابرو قوس مثال دسن

اور روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ باہم ملے نہ تھے درمیان میں ایک رگ تھی جو خاص تھی اور وہ وقت غضب ابھرتی تھی یعنی ابروؤں کا اتصال زیادہ نہ تھا اور حدیث میں "دقیق الحاجبین" یعنی باریک تھے گویا دو قبلوں کی یکجائی تھی۔

گوشہائے مُبارِکہ

گوشہائے مبارکہ انتہائی خوبصورت اور متوازن تھے اور قدرت کی صناعی کا مظہر تھے آپ ﷺ جیسا قریب سے سنتے ویسے ہی دور سے بھی سنتے تھے یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی خصوصی شان ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وادی نمل کی چیونٹی کی آواز سنی اور اس پر تبسم فرمایا حالانکہ کوئی آلہ ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آیا جو چیونٹی کی آواز سنا سکے اس واقعہ میں خصائص انبیاء علیہم السلام کا عظیم تذکرہ

ہے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں سے سننے کا یہ عالم تھا تو حبیب کبریا ﷺ کی شان سماعت کا کیا عالم ہوگا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ میں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ کچھ سن رہا ہوں جو تم نہیں سنتے اور آسمان خاص قسم کی آواز "اطیط" نکالتا ہے (اطیط اونٹ کے درد سے کراہنے کی آواز کو کہتے ہیں)۔ قرآن حکیم میں ہے "اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ" بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے کی ضمیر حضور اکرم ﷺ کی طرف راجح ہے کہ سیاق کلام میں ارشاد ہے "لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا" (پ ۱۵: بنی اسرائیل؛ آیت ۱) تو اللہ کریم نے حضور ﷺ کو اسم "السمیع" سے یاد فرمایا ہے جبکہ "سمیع" اسم الٰہی بھی ہے۔ حضور ﷺ اسماء ذات کا مظہر اتم ہیں اور "السمیع" سے آپ ﷺ کے گوشہائے مبارکہ اور ان کی شان سماعت کے عظیم وکمال ہونے کا اظہار ہے۔

چشمانِ کریم

مواہب لدنیہ میں مروی ہے کہ اللہ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی اور اس میں شمائل محبوب کریم ﷺ کا ذکر کیا اس میں ہے ان کی آنکھیں بڑی اور سرگین ہیں پلکیں گھنی اور لمبی ہیں۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے "عظیم العینین" چشمان مبارک بڑی اور بھنویں دراز تھیں یہاں بڑی سے مراد توسط و اعتدال کیساتھ بڑی ہونا ہے۔ آنکھوں کی پتلیاں خوب سیاہ تھیں اور خانہ چشم سفیدی میں سرخی لیے ہوئے تھا۔ پلکیں دراز تھیں اور مواہب میں ہے "اکحل العینین" چشمان کرم سرگین تھی یعنی قدرتی طور پر بغیر سرمہ لگائے سرگیں تھیں اور حدیث میں "اَدْعَجُ الْعَیْنَیْنِ" بھی آیا ہے۔ جس کے معنی گہری سیاہ (سرگیں) آنکھیں تھیں۔ ایک اور حدیث میں "اشکل العینین" جبکہ ایک روایت میں "اشھل العینین" بھی آیا ہے "اشکل" سے مراد سفیدی میں سرخی ہے اور "اشھل" کے معنی سیاہی میں سرخی کے ہیں۔ واضح مفہوم یہ ہے کہ چشمان کرم نرگسی اور کٹیلی تھیں اور دیکھنے والوں کو موہ لیتی تھیں۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے بع

آن نرگس شہلائے تو آوردہ رسم کافری

اور حضرت مہر علی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ع

مخمور اکھیں ہن مدھ بھریاں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گوشہ چشم سے ملاحظہ فرماتے اور جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو مکمل طور پر گھوم جاتے تھے۔ نیچی نظریں معمول تھا اور یہ حیا اور وقار کی روش تھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے جیسا رات میں دیکھتے ویسا ہی دن میں ملاحظہ فرماتے اور یونہی آگے اور پس پشت ملاحظہ فرماتے اور مروی ہے کہ دونوں کندھوں کے درمیان نقطہ کی صورت دو آنکھیں تھیں۔ ارشاد عالی جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ مجھ پر تمہارا رکوع و سجود چھپا ہوا نہیں اور یہ بھی مروی ہے جو میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثریا میں گیارہ ستارے ملاحظہ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنکھوں میں سرمہ لگاتے اور حضرت عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اثمد سرمہ لگایا کرو یہ آنکھوں کی روشنی زیادہ کرتا ہے اور پلکیں بڑھاتا ہے جب بھی سرمہ لگاتے طاق سلائیاں لگاتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بصارت کی کنہہ تک ہماری رسائی نہیں حق تو یہ ہے کہ جن آنکھوں نے رویت باری تعالیٰ کا فضل و شرف پایا ہے ان کے حضور دیگر موجودات کی رویت کی کیا حیثیت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطائف حواس میں محسوسات، مکمل ادراک اور احاطہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات سے ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عطاء الٰہی ہے کہ کائنات کو ہتھیلی پر رائی کے دانہ کی طرح ملاحظہ فرماتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (پ ۲۷: النجم: آیت ۱۸) بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں اور آنکھوں نے جو دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے "رأیت ربی" میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا اور اس ارشاد کے مقابل منفی مرویات کا رفع ہو جانا، اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ پر صادر کرتے ہوئے فرمایا راہٗ راہٗ انہوں نے دیکھا انہوں نے دیکھا مسلسل فرماتے رہے یہاں تک سانس منقطع ہو گئی۔ آنکھوں نے دیکھا دل نے تصدیق کی، اختلاف سلف رویت چشم میں ہے روئت دل میں نہیں اور یہ بھی منقول ہے کہ اللہ اس بات پر قادر ہے یہ کہ دل کو رویت بھی عطا فرما دے اور یہ بھی کہ دل

میں بھی دو آنکھیں تھیں تو چشمان سر ہو یا چشمان دل رویت باری جب ممکن ہے تو اس بحث کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ایسا ہوا یا نہیں ہوا جبکہ واقعہ معراج کا مقصود ہی مشاہدہ آیات ربانیہ تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: آیت ۱) جب پروردگار انہیں البصیر سے یاد فرماتا ہے تو پھر بحث کیسی۔

بینی مبارک (ناک مبارکہ)

مواہب میں حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں ہے "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک ابھری ہوئی ہے" شمائل ترمذی میں ہے "اقنى العرنين له نور يعلوه يحسبه من لم يتا ماه اشم" ناک مبارک بلندی مائل انتہائی خوبصورت تھا جس سے نور چمکتا تھا جو غور سے نہ دیکھتا تو گمان کرتا کہ ناک مبارک بلند ہے حالانکہ یہ حسن اور نورانیت کی وجہ سے ابھری (درمیان سے) معلوم ہوتی تھی جبکہ حقیقت میں متوازن، ہموار اور معتدل بلند تھی۔

رخسار مبارکہ

مواہب میں مروی ہے کہ رخسار مبارکہ توسط و اعتدال کے ساتھ متوازن لمبے تھے اور شمائل ترمذی میں ہے "سهل الخدين" رخسار مبارکہ نرم اور ہموار تھے۔ ایک روایت میں ہے رخسار بھرے ہوئے تھے (نہ تو زیادہ پر گوشت تھے اور نہ ہی پچکے ہوئے) اور صفائی تابانی کا یہ عالم تھا کہ یوں معلوم ہوتا کہ سورج ان میں تیر رہا ہے۔

لحیہ مبارکہ (داڑھی شریف)

شمائل میں ہے "كثّ اللحية" داڑھی شریف گھنی تھی۔ خصائص اور مواہب میں ہے کہ ریش مبارکہ بہت خوبصورت بھرپور اور گھنی تھی۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داڑھی بڑھاتے اور مونچھیں

کترواتے تھے اور یہی ارشاد ہے ”واحفوا اللّحٰی اور قسوا لشوارب“ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرواور جب حجامت کی ضرورت ہوتی تو لمبائی اور عرض میں کم کرادیتے لیکن طبعاً چار انگل سے کم نہ ہوتی جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ان کا عمل مذکور ہے اور وہ حددرجہ سنت کے پابند تھے۔ ریش مبارک میں کنگھی فرماتے بوقت وضوخلال فرماتے اور تیل بھی لگاتے آئینہ ملاحظہ فرماتے۔ مواہب میں ہے کہ ریش مبارکہ خوب گھنی تھی جس سے سینہ مبارک بھر جاتا تھا دوران گفتگو جب توقف فرماتے تو دائیں ہاتھ سے ریش مبارکہ کو پکڑ لیتے اور غوروفکر اور پریشانی کے وقت پر بھی ایسا فرماتے تھے۔ داڑھی مبارکہ میں ٹھوڑی کے قریب چند بال سفید تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زرد رنگ کی خوشبو لگاتے تو سفیدی رنگ پکڑ لیتی اور یوں معلوم ہوتا جیسے نور کے خوشہ میں سونے کے تار ہیں اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ زعفران اور درس کے ساتھ رنگا کرتے تھے۔ رہا سیاہ خضاب کا مسئلہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا بڑھاپا آیا ہی نہیں کہ اس کی حاجت ہوتی۔

دہن مبارک (دہن، دانت، زبان، کلام، لعاب، صوت شبہم)

شمائل ترمذی ابن ہالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”صلیع الفَمِ“ دہن مبارک کشادہ تھا۔ خصائص میں ہے دہن مبارک اعتدال کیساتھ فراخ اور کشادہ تھا۔ صحیح مسلم میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ہونٹ مبارک (لب) شگفتہ، پتلے خوبصورت اور متوازن کشادہ تھے۔

خصائص میں ہے دندان مبارک خوب سفید اور چمکدار تھے سامنے کے دانتوں میں فراخی تھی شمائل میں ہے ”مَفلَّجُ الاَسنَانِ“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک کشادہ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے ”اشف مقلح الثنایا“ سامنے کے دانت روشن وتاباں تھے اور ان میں فصل بھی تھا یعنی سامنے کے دونوں دانتوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی۔ دانت موتیوں سے بڑھ کر سفید تھے یا اُولے کی طرح بڑھ کر سفید، چمکدار اور لطیف تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دانتوں کی کشادگی سے بوقت کلام نور جھڑتا تھا یا نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ غزوہ احد میں لب زیریں کے

ساتھ سامنے کے نچلے دانت شہید ہوئے۔

لسان کے معنی بولی کے ہیں اور زبان کو بھی لسان کہتے ہیں کہ اس سے کلام (گفتگو) کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فصیح اللسان تھے۔ ارشاد جمال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدر ہے ”انا افصح العرب“ میں اہل عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ جامع ترمذی میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ”کان، یتکلم بکلام بینہ فصل یحفظہ من جلس الیۂ حضور نہایت واضح اور مفصل گفتگو فرماتے جس میں فصل ہوتا (وقفہ) کہ پاس بیٹھنے والے اسے محفوظ کر لیتے، ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ایک بات کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ خوب سمجھ آ جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ سلک مروارید کی لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں بلا ضرورت کلام نہ فرماتے اور جب بھی بولتے مسکرا کر اور صدفِ نطق سے علم وحکمت کے گوہر برستے، بری بات سے پرہیز فرماتے اور کہنی ضروری ہوتی تو کنایے میں بات سمجھا دیتے۔ جلدی جلدی گفتگو نہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل شیریں بیان اور فصیح پیدا ہی نہ ہوا نہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری پرورش قبیلہ بنی سعد میں ہوئی ہے جو پورے عرب میں سب سے زیادہ فصیح تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس عظمت فصاحت کے بارے میں عرض کیا گیا تو ارشاد فرمایا میں نے اس لغت اسماعیل علیہ السلام کو جو مٹ چکی تھی یاد کر لیا اور مزید ارشاد ہے ”ادبنی ربی فاحسن تادیبی“ میرے پروردگار نے مجھے آداب سکھائے تو ہر آداب کو بہت ہی کمال اچھا کر دیا نیز ارشاد ہے ”اعطیت جوامع الکلم“ مجھے چھ باتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت عطا کی گئی جس میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے یعنی بات انتہائی مختصر مگر کثیر معانی کی حامل وجامع سیدی اعلیٰ حضرت احمد رضا نے کیا خوب فرمایا ہے۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، بلکہ جسم میں جاں نہیں
میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زبان نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

ارشاد باری ہے وَقِيْلِهٖ (پ ۲۵ : الزخروف) اور اے محبوب تیرے بولنے کی قسم یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہے کہ رب ذوالجلال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام پاک کی قسم یاد فرماتا ہے اور کلام الٰہی جس کی عظمت فصاحت وحقانیت قیامت تک منکروں کے لیے چیلنج ہے ''فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ'' (آیت ۲۳ : البقرہ ۲) اور جس کی مثال لانے سے وہ قاصر و عاجز ہیں اللہ کریم نے اسے قول ثقیل کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر آسان کر دیا ارشاد ہے ''یسرناہ بلسانِكَ'' اور مزید فرمایا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (پ ۲۷ ؛ سورۃ النجم : آیت ۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (پ ۲۷ ؛ سورۃ النجم : آیت ۴) ''وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں مگر وہی جو ان کی طرف وحی کیا گیا ہے یعنی ان کی ہر بات وحی خدا ہے وحی متلو قرآن ہے اور وحی غیر متلو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس زبان کے کلام کی کیا عظمت ہے کہ جب خدا بولے تو اس زبان سے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بولیں تو اس زبان سے، صوت مبارکہ یعنی آواز انتہائی خوبصورت، شیریں اور کانوں میں رس گھولنے والی، دلوں میں اتر جانے والی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ نے جتنے انبیاء بھیجے سبھی خوبرو اور وجیہہ تھے اور ان کی آواز دلکش تھی۔ ایک حدیث میں ہے ''وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذَاتَ يَوْمٍ ذَرَفَتْ بِهِ الْعُيُوْنُ وَجَلَتْ مِنْهُ الْقُلُوْبُ كَاَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ'' آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز ہمیں وعظ (نصیحت) فرمایا جس میں ہماری آنکھیں بہہ نکلیں اور ہمارے دل لرز اٹھے گویا کہ یہ وعظ الوداع کہنے والے کا خطبہ تھا۔ یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی اثریت کو خوب واضح کرتی ہے دوران خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لہجہ پرزور ہو جاتا اور آواز بلند ہو جاتی گویا کسی خطرے سے ڈرا رہے ہیں یا لشکر کے حملہ سے کہ وہ ہوا ہی چاہتا ہے اور جب کوئی خوش خبری سناتے تو ہمارے دل فرحت وخوشی سے مسرور ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز دور و نزدیک ایک جیسی پہنچتی اور بخوبی صاف سنی اور سمجھی جاتی صوت مبارکہ کی یہ شان ہے کہ اللہ فرماتا ہے لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (پ۲۶ : سورۃ الحجرات : آیت ۲) نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند (اونچا) نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے جملہ اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ

ہو اور ان لوگوں کی تعریف فرمائی اور کہا اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (پ۲۶ : سورۃ الحجرات : آیت ۳)، بے شک وہ لوگ جو آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آوازیں پست رکھتے ہیں اللہ نے ان لوگوں کے دلوں میں تقویٰ کو جانچ لیا ہے اور ان کے لیے بڑا اجر وثواب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا اور رونا بغیر آواز کے ہوتا۔ ترمذی میں ہے تلاوت و قرأت قرآن میں کبھی آہستہ اور کبھی بلند آواز سے پڑھتے اور قرأت مبارکہ حرفاً حرفاً (جدا جدا) ہوتی اور مدّ اُمدًا ً بھی آیا ہے یعنی حروف کو کھینچ کر پڑھتے۔ حضرت عبداللہ بن مفصل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے ''فَقَرَاَ وَرَجَّعَ'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش آوازی سے پڑھا اور ایک حدیث میں ہے جو قرآن کو اچھی آواز میں نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی خوش آواز اور شیریں کلام مخارج سے کلام کرنے والا اور فصیح نہ ہوا، نہ ہوگا آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ اوصاف میں بے مثل ہیں اور اپنی مثال آپ ہی ہیں صلی اللہ علی قدر حُسْنِهٖ وَ جَمَالِهٖ وكَمَالِهٖ''

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''ما رایت احدا اکثر تبسما من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں نے آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر زیادہ مسکرانے والا کوئی نہیں دیکھا اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے لا يَضْحَكُ الا تبسما'' آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی صرف مسکراہٹ تھی۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بھی مجھے دیکھا تو تبسم فرماتے ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی قہقہہ لگا کر ہنستے نہیں دیکھا کہ اس سے لہوات (کوا) نظر آئیں تبسم لبوں کو ملانے کا نام ہے اور سامنے کے دانتوں کی سفیدی ظاہر ہونے کا نام تبسم ہے۔ حدیث میں ''ضحک'' کے معنی تبسم ہی کے ہیں کیونکہ قہقہہ مکروہ ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبسم فرماتے تو انوار تبسم سے در و دیوار روشن ہو جاتے اور دندان مبارکہ سے نور شعاع شمس کی طرح سے ظاہر ہوتا۔ حدیث ترمذی میں ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بوقت شب کپڑا سی رہی تھیں کہ سوئی گر گئی اور وہ مل

نہیں رہی تھی کہ آپ حضور ﷺ جلوہ افروز ہوئے تو مسکراہٹ کے انوار میں وہ گم شدہ سوئی مل گئی۔

سیدی اعلیٰ حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے۔

سوزن گم گشتہ ملتی ہے تبسم سے تیرے شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

لُعابِ دَہن

لعاب دہن مبارک کہ شہد سے بڑھ کر شیریں اور کستوری سے بڑھ کر خوشبودار اور پاکیزہ تھا برکتوں کا منبع اور شفاء امراض تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر کے کنویں میں آپ ﷺ نے کلی فرمائی تو اس کا پانی شیریں ہوا کہ مدینہ میں کوئی کنواں اس سے بڑھ کر شیریں نہ تھا اور یونہی ایک کنویں سے ڈول نکالا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں کلی فرمائی پھر اسی ڈول کا پانی کنویں میں ڈال دیا گیا تو وہ خوشبو میں کستوری سے بڑھ گیا اور خوب شیریں ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غار ثور میں سانپ نے کاٹا آپ ﷺ نے لعاب شریف لگایا تو شفا ہو گئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ ایک جنگ میں دائرہ چشم سے نکل کر رخسار پر لٹک گئی آپ ﷺ نے لعاب شریف لگایا آنکھ بحال اور پہلے سے بڑھ کر اچھی ہو گئی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مونڈھا (بازو) غزوہ بدر میں کٹ کر الگ ہو گیا حضور ﷺ نے لعاب شریف لگا کر جوڑ دیا پہلے سے قوی ہو گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر میں آشوب چشم میں مبتلا تھے حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب شریف لگایا کامل شفا ہو گئی۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے لعاب شریف سے بکثرت سیراب وفیض یاب ہوتے۔ غزوہ خندق میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت میں ہنڈیا اور آٹے میں لعاب دہن ڈالا اتنی برکت ہوئی کہ ایک ہزار افراد نے پیٹ بھر کر کھایا مگر سالن روٹیوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

مسواک کا استعمال ہمیشہ فرماتے بیہقی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے مجھ پر تین چیزیں فرض ہیں وتر، مسواک اور قیام اللیل وتہجد جبکہ امت کے لیے مسنون ہیں۔ بخاری میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "اذا قام لیتھجد یشوص فاہ بالسواک"

جب تہجد کے لیے اٹھتے تو دہن مبارک کو مسواک سے پاکیزہ تر فرماتے مسواک کرنے میں مبالغہ فرماتے کہ اُع اُع کی آواز ظاہر ہوتی۔

گردن شریف

مواہب لدنیہ میں ہے گردن مبارک صراحی دار اور خوبصورتی میں چاندی کی طرح تھی۔ "الحرفی صفاعا الفضه" یعنی صفائی خوبصورتی میں چاندی کی طرح سفید وشفاف تھی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "بیض کافما وضع من فِضَّةٍ" گردن مبارک سفید تھی یوں معلوم ہوتا کہ چاندی سے بنی ہے حضرت ابن ابی ہالہ کی روایت میں سنگ مرمر سے تراشے ہوئے مجسمہ کی طرح تھی۔ علماء نے اس تشبیہ کو رعائت ادب کے خلاف کہا کہ گو مجسمہ کی آرائش میں صفائی اور مبالغہ کو دیکھ کر ایسا کہہ دیا ہے حق یہ ہے گردن متوازن لمبی، سفید اور صراحی دار تھی اور صفائی میں چاندی کی سفیدی کی طرح روشن اور خوبصورتی میں بے مثل تھی۔

پشت مُبارک اور مُنکبین (مونڈھے) شریف

آپ ﷺ کی پشت مبارک کشادہ تھی۔ مواھب میں ہے پشت مبارک ہموار اور صاف چاندی کی طرح تھی اور پاک وصاف اور خوب سفید۔ کعبی سے منقول ہے کہ آپ سرکار ﷺ نے بوقت شب جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا تو میں نے دیکھا کہ پشت مبارک کہ چاندی کی طرح چمک رہی تھی دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے معتدل فاصلہ تھا اور درمیان میں مہر نبوت تھی جو دائیں مونڈھے کے قریب تھی یہ ابھری ہوئی تھی اور بالوں سے گھری تھی مقدار میں کبوتر کے انڈے کے موافق تھی سرخ اور ابھرے ہوئے گوشت کی طرح تھی صاف نورانی اور چمکدار تھی۔ قبول اسلام کے حوالے سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر حضور ﷺ نے انہیں مہر نبوت دیکھنے کی اجازت دی اور یہ بھی منقول ہے کہ وصال شریف کے بعد وہ غائب ہو گئی واللہ اعلم۔ قرآن حکیم میں حضور ﷺ

کے اعضاء جسمانی کا ذکر ہے اور سورت الم نشراح میں سینہ مبارکہ کے ساتھ پشت مبارکہ کا بھی ذکر ہے اور یہ خصائص محبوب ﷺ سے ہے۔

بغل مُبارَکہ،صدر شریفہ اور قلب (نور واطہر و تعین مبارکہ)

دونوں بغل مبارک بدن مبارکہ کی مانند سفید تھے اور بغلوں میں بالوں کے بارے میں بعض نے بالوں کی نفی کی ہے اور بعض نے کہا کہ بالوں کا مونڈنا یا اکھیڑنا روایات میں منقول ہے اور کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے کہ دونوں بغل مبارکہ سے مشک کی مانند خوشبو مہکتی۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بغلوں مبارکہ کا عرق عطر میں ملا کر ایک دلہن کو لگایا (مل دیا) تو اس کی سات پشتوں تک خوشبو نہ گئی اور جس گھر میں وہ دلہن گئی اس کا نام ہی ''بَیْتُ الْمُطَیِّبِیْن'' پڑ گیا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے' اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ '(پ ۳۰، الم نشرح، آیت ۱) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ ﷺ کا انشراح صدر نہ فرمایا۔

''انشراح'' سے مراد سینہ مبارکہ کی وسعت اور کشادگی ہے اور بارگاہ رب العزت سے وہ خصوصی اور عظیم انوار سے قلب انور کو معمور و منور فرمانا ہے اور اسرار و حکم کی خصوصی عطایا اور عنایات ہیں ارشاد نبوی ﷺ ہے ''اذا دخل النور القلب انقسیم و انشرح'' جو دل نور سے معمور ہوتا ہے اسے کشادہ اور وسیع بنا دیتا ہے رزائل اخلاق اور صفات مزمومہ سے پاک وصاف ستھرا کر دیتا ہے گویا تزکیہ قلب کی ایک خصوصی برکت عطا ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دخول نور کا اثر ہے اور آپ ﷺ ''نور من نور اللہ'' ہیں اور آپ کا ارشاد ہے ''کل خلائق من نوری وانا من نور اللہ'' اور ساری مخلوق میرے نور سے بنی اور میں اللہ کے نور سے جو کتاب اللہ میں ارشاد ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ الخ (پ ۱۸؛ سورۃ نور؛ آیت ۳۵) اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ''نور بمعنی منور ہے یعنی آسمانوں اور زمین کو منور کرنے والا تو واضح ہے کہ جملہ موجودات میں نور رب العالمین کا ہی روشن وظاہر ہے اور آپ ﷺ

اس نور ذات کا مظہر اتم اور اس کے ظہور کا مطلقاً واسطہ اور وسیلۂ وحید ہیں اور اسی آیت کے تحت بکثرت مفسرین نے فرمایا مشکوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کا سینہ مبارک ہے اور زجاجہ سے مراد آپ ﷺ کا قلب اطہر ہے اور مصباح سے مراد قلب اطہر میں ایمان ہے، انوار و معرفت ہے۔ یہ تو اللہ کی کتاب میں آپ ﷺ کے اعضاء شریفہ کے حوالے صدور قلب کا تذکرہ ہے وگرنہ قلب تو باطنی عضو ہے اس کے بارے میں کس کی رسائی ہے یہ وہ دل ہے جس پر قرآن اترا، اگر وہ پہاڑوں پر اترتا تو وہ خوف و خشیت الٰہیہ سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ ظاہری حیات مبارکہ میں چار دفعہ شرح صدر ہوا جو خصائص کبریٰ میں سے ہے بعض اہل علم و عرفان سے منقول ہے کہ بشریت، نبوت و رسالت کا مقتضیٰ ہے اللہ کریم نے آپ ﷺ کو حیات ظاہری میں صفات بشریہ کے انتہائی درجہ کمال پر رکھا کہ رسالت کو لازم ہے لیکن انشراح صدر کے پیہم ہونے پر علوم و عرفان انوار معرفت کی وہ بلندی اور استطاعت کی وہ توفیق عنایت فرمائی جو صرف آپ ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ حدیث شرح صدر میں ہے پھر میرے دل کو نکالا گیا اور اسے آب زم زم سے غسل دیا گیا تو میں دیکھتا تھا۔ یہاں بشر بشر کی گردان چھوڑ کر سمجھنے کی بات ہے کہ بغیر قلب کے جو روح کا مکان ہے رویت کیوں کر ہے اور یہ واضح ہے کہ آپ ﷺ لوازم بشریت کے محتاج نہیں اس لیے کہ آپ ﷺ کی حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں اور ظاہری دنیاوی زندگی میں رسول کا بشر ہونا لازم ہے تو بشریت میں ظہور، حکمت وضرورت تھی۔ بہر حال مختصراً یہ ہے کہ آپ ﷺ کا صدر مبارک (سینہ) ہموار، فراخ اور کشادہ تھا۔ ناف اور سینہ کے درمیان بالوں کی باریک اور چمکدار دھاری تھی (واضح لکیر کی طرح تھی) بطن مبارکہ پر سلوٹ تھی اور کوئی حصہ بھی ہمواری کی سطح سے اوپر یا نیچے یا لٹکا یا بڑا ہوا نہ تھا۔ حدیث شریف میں ہے ''سواء البطن و الصدر بطن'' اور سینہ برابر اور ہموار تھے۔ سینہ کو چھوڑ کر بطن مبارکہ پر نور بالوں سے شفاف تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ شکم اطہر تہہ دار لپٹے ہوئے کاغذ کی طرح تھا۔

بازو اور دستہائے مُبارکہ

ایک روایت میں ہے "عبل العصدین" آپ حضور ﷺ کے دونوں بازو اور کلائیاں یا ہتھیلیاں پر گوشت تھیں یعنی بھرپور اور مکمل تھیں ہتھیلیاں فراخ اور نرم تھیں اور دستہائے مبارکہ کی انگلیاں ماہیت کے ساتھ دراز اور رواں تھیں۔ ہتھیلیاں حریر (ریشمی کپڑے) سے بھی بڑھ کر نرم تھیں اور ہمہ وقت خوشبو سے مہکتی تھیں۔ آپ ﷺ سے مصافحہ کرنیوالے کا ہاتھ تمام دن خوشبو سے مہکتا رہتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ سرکار ﷺ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر دست اقدس پھیرا تو وہ کہتے ہیں کہ دست مبارکہ سے ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس ہوئی گویا آپ حضور ﷺ نے عطار کے ڈبے سے ہاتھ نکالا ہے مزید ابن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حضور ﷺ نے مجھ سے مصافحہ کیا تو میں نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ برف سے زیادہ ٹھنڈے سرد اور مشک سے بڑھ کر خوشبودار پائے۔ طبرانی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جب بھی آپ حضور ﷺ سے مصافحہ کیا تو میرے ہاتھ معطر ہو جاتے اور میں تمام دن انہیں سونگھتا اور یہ خوشبو مشک اذخر سے بڑھ کر پاتا۔ مبارک انگلیوں کی شان ہی نرالی تھی بچپن میں مہد میں چاند کو اشارہ کرتے تو وہ ادھر ہی جھک جاتا جس طرف اشارہ کا صدور ہوتا چاند کو اشارے سے چیر دیا سیدی اعلیٰ حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے

کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
اشارے سے چاند کو چیر دیا چھپے ہوئے دن کو عصر کیا
یہ تاب و تواں تمہارے لیے
تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز عصر کا وقت ہو چکا اور ہم کہیں بھی پانی نہ پاتے تھے کہ وضو کر کے نماز پڑھیں ارشاد اقدس پر ایک برتن (پیالے) میں کچھ پانی لایا گیا تو حضور ﷺ نے

اپنے دست مبارکہ کو پیالے میں ڈال دیا پانچوں انگلیوں سے گویا پانچ نہریں پھوٹ نکلیں یعنی ہم نے دیکھا کہ انگشت مبارکہ سے پانی ایسے نکل رہا ہے جیسے چشمہ سے، ساری جماعت نے وضو کر لیا اور دیگر ضرورتوں کے لیے جمع کر لیا پوچھا گیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم تین سو تھے اور روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو کفایت کرتا جبکہ ہم صرف پندرہ سو تھے۔ یہ حدیبیہ کا واقع ہے اس بات میں حدیث مبارکہ متواتر، مشہور اور کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔

علامہ زمحشری صاحب تفسیر کشاف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کا انکار کیا کہ جب ان کی قوم نے پانی مانگا تو انہوں نے بحکم الٰہی پتھر پر اپنا عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے زمحشری نے کہا کہ پانی تو پتھروں سے ہی نکلتا ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہے وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ (پ ۱؛ البقرہ: آیت ۷۴) اور بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان سے پانی کی نہریں جاری ہو جاتی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس پتھر پر لاٹھی ماری ہو سکتا ہے اس کے نیچے پانی ہو جو پھوٹ نکلا تو معجزہ کیوں کر ہوا چونکہ وہ معتزلی اور منقولی ہے اس لیے وہ معجزات کا منکر ہے جب اس سے کہا گیا تم فضول انکار کرتے ہو یہاں کیا کہتے ہو کہ ہمارے آقا ﷺ کی انگلیوں سے پنج آب رحمت بہہ نکلے اور ان سے پانی یوں ابلنے لگا گویا کہ چشمے پھوٹ رہے ہیں تو ساکت صامت ہو کر رہ گیا۔ پتھر کی نسبت انگلیوں سے چشموں کا جاری ہونا عظیم معجزہ ہے اور علماء نے فرمایا کہ معجزات میں بھی حضور والا ﷺ کی خصوصی فضیلت و کرامت ہے اور آپ ﷺ جیسا معجزہ یا معجزات کا کسی نبی و رسول سے صدور نہیں ہوا۔ شفاء شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور والا ﷺ شان نے کنکریاں اپنے دست مبارکہ میں لیں تو وہ تسبیح کرنے لگے اور اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آواز کو سنا مختلف روایات میں اس کی مزید تفصیل ہے جسے طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ معرکہ بدر کے روز حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آپ سرکار ﷺ نے اس درخت کی ٹہنی پر جو وہ لڑنے کے لیے لائے تھے دست مبارکہ پھیرا وہ تلوار بن گئی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی لاٹھی پر دست مبارکہ پھیرا تو وہ روشن ہو گئی۔ زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی ربیبہ تھیں ان کے چہرے پر ازراہ مزاح

دست وکرم سے چھینٹے دے تو وہ عورتوں میں حسن و جمال میں یگانہ ہوگئیں۔ غزوہ حنین کے روز دست مبارک میں ایک مٹھی خاک لے کر کفار کی طرف پھینکی تو وہ بھاگ اٹھے اور فتح ملی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نسیان کی شکایت کی تو ارشاد فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ پھر اس پر دست مبارک رکھا سے کچھ ڈالا اور سینے سے لگانے کا حکم فرمایا ان کا فرمانا ہے اس کے بعد کبھی نہیں بھولا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر دست مبارکہ رکھا تو وہ جو گھڑسواری نہیں کر سکتے تھے سب سے بڑھ کر جم کر بیٹھنے والے گھوڑا سوار بن گئے اور برکات دست مبارکہ بہت کثیر مروی ہیں۔

مُبارک قدم، پنڈلیاں، پائے انور

بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سرکار ﷺ زمین پر پورے قدم رکھتے اور قدمین میں ابھار نہ تھا۔ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ قدمین شریف ہموار تھے۔ ابن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ''احسن الغیر قدما'' قدمین مبارکہ میں تمام لوگوں سے حسین اور بڑھ کر تھے اور ایڑیوں کے بارے میں مروی ہے ''منھوش القدم'' یعنی شفاف، کم گوشت اور لطیف تھیں۔ مواہب لدنیہ میں میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پائے مبارکہ میں انگشت مبارکہ (انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی) باقی انگشتہائے قدم سے مناسبت کے ساتھ دراز تھی۔ واضح قول یہی ہے جو شمائل کے بیان میں اصولی ہے کہ تلوے ہموار نہ تھے اور نہ ہی زیادہ ابھرے ہوئے بلکہ دونوں باتیں مناسبت کے ساتھ تھیں۔ آپ ﷺ جب چلتے تو ایسا محسوس ہوتا گویا اونچائی سے پستی کی طرف اتر رہے ہیں اور قدمین گداز اور پر گوشت تھے۔ مضبوط قدموں سے چلتے اور ڈھیلا انداز ہرگز نہ ہوتا قدمین کی انگلیاں چاندی سے بڑھ کر شفاف وسفید اور بکمال حسین تھیں۔ ایک قول ہے کہ آگے کو جھک کر چلتے اور قدم آہستہ سے رکھتے، پنڈلیاں باریک، سیدھی، شفاف مناسب گوشت سے بھرپور اور انتہائی خوبصورت تھیں۔ آپ ﷺ کی رفتار تیز تھی گویا آپ ﷺ کے لیے زمین لپیٹی جارہی ہے اور رفتار میں باوقار تھے۔ جب جوڑے مبارک پہنتے تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنتے اور جب اتارتے تو

بائیں پاؤں سے اور مسجد میں داخلہ اس کے برعکس تھا یعنی بوقت داخلہ دائیاں پاؤں رکھتے اور نکلتے وقت بایاں پاؤں رکھتے دائیں طرف سے ابتداء پسند تھی۔

قدمین کی مضبوطی کی یہ شان تھی کہ ساری ساری رات قیام فرماتے اور کبھی ایک ہی آیت پر تکرار فرماتے رات بیت جاتی علماء نے فرمایا ہے کسی نبی و رسول کے لیے ساری زمین نہ تو پاک قرار دی گئی اور نہ ہی مسجد یہ شرف صرف اور صرف آپ سرکار ﷺ کا ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک جونہی زمین سے لگے آپ ﷺ کے لیے اللہ نے ساری زمین پاک کر دی اور مسجد بنا دی حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم جس پتھر سے لگے (مقام ابراہیم) قرآن حکیم میں اس جگہ کو مصلیٰ (نماز پڑھنے کی جگہ) بنانے کا کہا آپ ﷺ کے قدمین کی فضیلت بہت عظیم اور بلند ہے۔

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ہے ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ (پ ۳۰؛ سورہ بلد؛ آیت ۱)'' علما نے اس آیت کے تحت فرمایا ہے کہ قدمین کی یہ شان ہے کہ آپ ﷺ کے راہ گزر کی قسم یاد فرمائی گئی ہے اور انہی قدمین کے تلوؤں کے بوسے سے عرش کو سکون عطا ہوا۔ جنت میں داخلہ کا آغاز بھی قدمین کی برکت سے ہوگا اور اس سے قبل جنت میں کسی کا داخلہ نہ ہوگا۔ مدینہ طیبہ آپ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے حرم نبوی ﷺ قرار پایا مکہ معظمہ حرم خلیل علیہ السلام ہے اور مدینہ طیبہ حرم حبیب ﷺ ہے۔

آپ ﷺ نے پائے اطہر میں موزے پہنے ہیں اور موزوں کا پہننا اور ان کا مسح حدیث میں تواتر سے مذکور ہے۔ ترمذی نے شمائل میں روایت کیا ہے کہ نعلین شریفہ دو پٹی والے تھے جو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان تھے۔ حضرت زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے نعلین شریفہ کی تعریف میں کہا۔

وتعله الكريمة المصونة   طولى لمس مس بها جبتة

کس قدر خوش بخت ہے وہ شخص جس کی جبین (پیشانی) حضور ﷺ کے مقدس و مکرم پاکیزہ و طاہر نعلین کو چھوئے۔ شمائل کا باب بہت وسیع ہے میں نے صرف وجود مسعود کے ذکر تک خود کو

محدود رکھا ہے اور اختصار پر ہی انحصار کیا ہے دیگر ابواب شمائیل پر اسلاف نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ میرا مقصود سراپا جمال تھا سو یہ تذکرہ بارگاہ عالی جناب ﷺ بھی غلامانہ مؤدبانہ نذرانہ ہے گر قبول افتد زہے عز و شرف صلی اللہ علیه علی قدر حسنه و جمالهٖ و کماله وعلی اله وسلم

بشارت جلیله

حسن جمال حبیب رب العالمین پروفیسر قاری مشتاق احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے۔ آپ کے وصال مبارک سے چند روز قبل یہ طباعت کے مراحل میں تھی۔ اسی لیے حالات زندگی میں حال کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ آپ کا وصال مبارک ۵ فروری ۲۰۱۹ بمطابق ۳۰ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ کو ہوا۔ اس کتاب کے انتساب سے متعلق آپ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا انعام بارگاہِ نبوی ﷺ سے مل گیا ہے۔ جس سے اس کتاب کی قبولیت معلوم ہوتی ہے